وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (سورۃ القمر)

جلد 11	شمارہ 09	ذوالحجہ 1438ھ	ستمبر 2017ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : **انجینئر مختار فاروقی**

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی — مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل — تزئین وگرافکس: جواد عمر

پروفیسر خلیل الرحمٰن — قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی — محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		4
3	حرفِ آرزو۔ملک شام کی بدامنی کا مستقبل؟(3)	انجینئر مختار فاروقی	5
4	سیمینار:فکر اقبال کی روشنی میں.....افتتاحی کلمات	انجینئر مختار فاروقی	18
5	سیرتِ امام المرسلین ﷺ (13)	ساجد محمود مسلم	24
6	عدالت کا تاریخی فیصلہ اور اس کے اثرات	محمد فہیم	37
7	71واں یومِ آزادی.....	محمد منظور انور	41
8	فیشن دیوتا کے چرنوں میں	عافیہ مقبول جہانگیر	45
9	مسائل میراث اور ہمارے اُجڑتے خاندان(2)	حافظ مختار احمد گوندل	54
10	تبصرہ وتعارف کتب		63

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ قریش آیات 4، رکوع 1

سرزمین مکہ میں قریش کو بیت اللہ کی بدولت امن بھی حاصل تھا اور لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کے جان و مال سے تعرض نہیں کرتے تھے اس لیے وہ بے خوف و خطر تجارت کے لیے سفر کرتے اور خاطر خواہ نفع کماتے اور سکون سے گھر بیٹھ کر کھاتے تھے۔ اس سورۃ مبارکہ میں قریش کو یہ احسانات یاد دلا کر کہا گیا ہے کہ تمھیں اس گھر کے ربّ ہی کی عبادت کرنی چاہیے جس کی بدولت تمھیں خوشحالی اور امن نصیب ہوا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ O اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ O

قریش کے مانوس کرنے کے سبب

یعنی ان کو سردیوں اور گرمیوں کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ O

(لوگوں کو) چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں

الَّذِیْ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ O

جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

1

اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ یَأْخُذُوْا عَلٰی یَدَیْهِ أَوْشَكَ أَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ

(ترمذی، عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ)

''اس میں شک نہیں کہ جب لوگ اُس شخص کو دیکھیں جو ظلم کرتا ہے پھر اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں (یعنی اس کو ظلم سے نہ روکیں) تو جلد ہی اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں پر اپنا عذاب عام کر دیتا ہے''۔

2

اِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِیْهِ بَعْدَ أَنْ یُوَلِّیَ الْاَبُ

(مسلم، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

''بے شک نیک کاموں میں سے بڑی نیکی کا کام یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے جانے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ تعلق جوڑے''۔

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر و النذیر، للامام جلال الدین السیوطی

ملکِ شام کی بدامنی کا مستقبل؟
ایک آتش فشاں پھٹنے کو ہے

3

(گزشتہ سے پیوستہ)

انجینئر مختار فاروقی

● گزشتہ شمارے کی گزارشات میں تینوں آسمانی مذاہب (یہود، نصاریٰ اور مسلمان) کے ہاں قربِ قیامت میں جو شخصیات ظاہر ہونے والی ہیں ان کا تذکرہ آیا تھا۔ ان شخصیات سے متعلق کہیں کم اور کسی کے ہاں شدید انتظار کی کیفیت ہے جس سے متعلقہ مذہب کے معتقدین بخوبی واقف ہیں اور اہلِ علم بھی جانتے ہیں۔

● اس سے پہلے کہ ہم اپنے موضوع کے آخری حصے کی طرف آئیں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تینوں آسمانی مذاہب یہودیت (صہیونیت)، عیسائیت اور اسلام میں اس منظر نامے سے متعلق مذہبی نفسیات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تینوں مذاہب میں داخلی عمل اور ردّعمل کی کیفیات کا سرسری جائزہ لے لیں تاکہ قارئین کا ذہن اگلے مرحلے میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔ آیئے پہلے مسلمانوں، پھر عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اس وقت کی نفسیاتی کیفیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس سے ہماری مراد اس مذہب کے پیروکاروں کے مجموعی ردّعمل سے ہے جو اخبارات و رسائل اور تصنیف و تالیف کے ذریعے یا عوامی سطح پر مذہبی طبقات کے خطابات کے عنوانات و گرم گرم موضوعات سے سامنے آسکتا ہے۔

● یہاں یہ بات درج کر دینا ان شاء اللہ مفید مطلب ہوگا اور باہمی سوئے ظن سے بھی

بچائے گا کہ ہماری کوشش ہوگی کہ صورت حال کو اس کے صحیح تناظر میں اور بلا مبالغہ دکھایا جائے۔ انسانی اندازے کی غلطی (JUDGEMENT ERROR) کا امکان اپنی جگہ ہے۔ تاہم ہمارے اندازِ تحریر میں کسی بات کو ظاہر کرنے کے بارے میں تجزیے کا نتیجہ صفر سے دس تک میں چھ لکھنے سے کسی کو اختلاف ہوسکتا ہے کہ یہ پانچ ہونا چاہیے یا سات ہونا چاہیے تاہم یہ بات حتمی ہے کہ ہم رات کو دن اور دن کو رات ثابت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اللّٰہ الموفّق والمُستعان الاعلٰی۔

اس منظرنامے (SCENARIO) میں ہم مسلمانوں کی داخلی کیفیّات کیا ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد، دجال کا ظہور اور پھر ایک بڑی جنگ کی کیفیت کا ظاہر ہوجانا وہ امور ہیں جن کے بارے میں اہل سنت اور اہل تشیع اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیے گئے تھے اور اب قربِ قیامت میں دوبارہ تشریف لائیں گے، ان کی یہ تشریف آوری ملک شام کے شہر دمشق میں ہوگی۔ وہاں سے فلسطین و یروشلم بہت قریب ہیں۔ لہٰذا وہ وہاں سے آس پاس کے علاقوں (جن سے وہ آج سے 2000 سال قبل بھی واقف تھے) میں روابط استوار کرتے ہوئے بالآخر یروشلم پہنچیں گے۔ چونکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ آسمانی کتاب قرآن مجید اور اس کی تشریح (جو پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے کتب احادیث و روایات سے ہم تک پہنچی ہے) کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا مسلمان بالعموم اس بارے میں پرسکون اور مطمئن ہیں کہ یہ کام اللہ کا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اپنی مشیت مطلقہ اور علم کامل کے تحت جب نازل کرنا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثانی فرمادے گا۔ (یہ عیسیٰ علیہ السلام وہ ہیں جن کو یروشلم میں یہودیوں کی سازش کے باوجود اللہ نے بچالیا تھا۔ وہ نہ قتل ہوئے اور نہ صلیب دیے گئے وہ زندہ رہے، زندہ ہیں اور زندہ ہی زمین پر تشریف لائیں گے)۔

اس بارے میں مسلمانوں میں کوئی اضطراب، پریشانی، مایوسی اور انتظار کی وجہ سے IRRITATION یا تلخی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ ہاں اہل علم اور عوام اس واقعہ کا انتظار ضرور کررہے ہیں۔ اس میں انسانی سطح پر یا عالم اسباب میں کسی منصوبہ بندی کا کہیں کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ کسی مسلمان کے دل میں یہ خیال گزرنا کہ کاش حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری زندگی میں آجائیں تو میرے لئے سعادت ہوگی کہ میں ان کی خدمت میں حاضری دوں تو یہ ایک الگ صورت حال ہے۔

مسلمانوں کے برعکس عیسائی دنیا میں حضرت 'مسیح' کی آمد کے انتظار کی کیفیت انتظار سے آگے اب بے چینی کی صورت اختیار کر چکی ہے اور انٹرنیٹ پر لاکھوں WEBSITES ہیں جو اس عنوان سے متعلق معلومات کو عام کر رہی ہیں۔

اس مضمون میں دیے گئے نقشہ جات انٹرنیٹ سے شکریے کے ساتھ شائع کیے جا رہے ہیں

1 شام کے شہر دمشق سے مغرب کی طرف جولا کی پہاڑیاں ہیں جہاں اسرائیل کا باڈر متنازعہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دمشق آمد پر فلسطین کی طرف پیش قدمی روکنے کے لیے دمشق اور اسرائیل کے درمیان ایک مصنوعی ریاست 'علاویہ' کھڑی کی جا رہی ہے۔

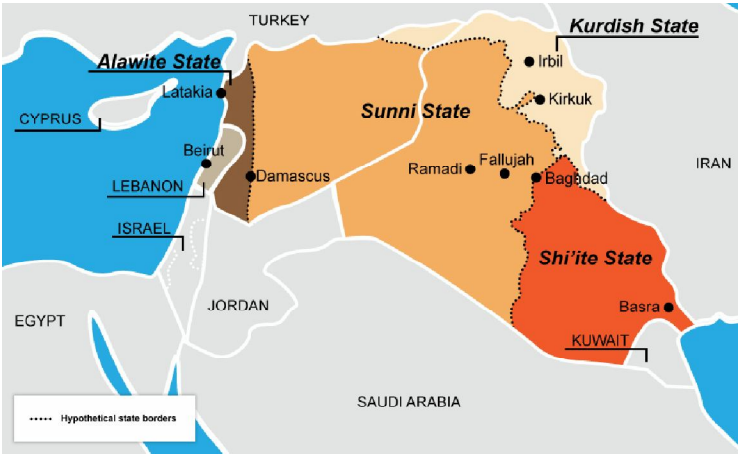

2 خراسان کا علاقہ جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں فوجیں یروشلم کی طرف علاقے فتح کرتے ہوئے جائیں گی اور انہیں کوئی شکست نہیں دے سکے گا۔

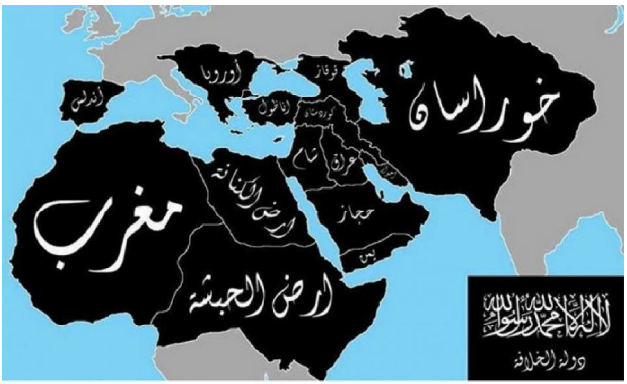

3 متوقع علاقہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسیح الدجال کا ظہور ہونا ہے اور وہ جنگ کا علاقہ بنے گا۔

زمینی حقائق واقعات

مسلمانوں کی داخلی صورت حال کے برخلاف، عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں علم ہے مگر ان کے موقف میں شام میں آنے والی شخصیت ANTICHRIST ہوگی (وضاحت قسط نمبر 2 میں آچکی ہے)۔ ANTICHRIST کا لفظ کہنے سے ان کا سارا ذہن سامنے آجاتا ہے کہ وہ یہودیوں کے مسیح جو اصفہان میں ظاہر ہوں گے ان کے مخالف (ANTI) ہوگی۔ ان کے درمیان جنگیں ہوں گی اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس شدید جنگ میں انھیں بھاری نقصانات ہوں گے۔

الحمدللہ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے قرآن مجید میں یہ آیات موجود ہیں کہ:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا O قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا O مَّاكِثِیۡنَ فِیۡهِ اَبَدًا O وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا O مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا O فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا O (06-01:18)

''سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی (بلکہ) سیدھی (اور سلیس اُتاری) تاکہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے جو اس کی طرف سے (آنے والا) ہے ڈرائے اور مؤمنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے (ان کے کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے (کسی کو) بیٹا بنالیا ہے ان کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا۔ (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ (اے پیغمبر ﷺ) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں (تو ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے آپ کے علم میں آجائے) تو شاید آپ اس صدمے میں اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے''۔

- ان آیات کے ترجمے سے بات واضح ہے کہ اس موقع پر اب ایک بڑی عالمگیر جنگ (WWIII) متوقع ہے جس کے دنیا میں خدشات ظاہر کیے جارہے ہیں۔ اس صورت حال میں مسلمان تو مطمئن ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ ہے اور وہ خود ہی اس کے مخالفین کا بندوبست کرکے اپنے منصوبے کو کامیاب کرے گا، جبکہ عالم عیسائیت اور عالم یہودیت یا صہیونیت پر خوف و ہراس اور GUILTY CONSCIENCE ہونے کی وجہ سے ذہنی شکست کی کیفیت کے ساتھ بدحواسی کا عنصر بھی نمایاں ہوتا جارہا ہے۔

- اس وقت دنیا میں عیسائیت کے ماننے والے تقریباً 225 کروڑ ہیں اور کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں تقسیم ہیں اور تثلیث کے قائل ہیں، اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا، تین میں سے ایک اور خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں اور تقریباً 1900 سال سے دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ یہ عقیدہ اور مذہب آسمانی مذہب ہے اور دنیا میں موجود BIBLE آسمانی کتاب ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے عیسیٰ علیہ السلام جو شام میں اتریں گے وہ عیسائیوں کے عقیدے اور اس اصفہان میں آنے والے مسیح اور جھوٹے پیغمبر کے دشمن ہوں گے۔ لہٰذا عملاً موجودہ عیسائی دنیا کے نزدیک مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق آنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ANTICHRIST ہیں۔ عیسائی بنیادی طور پر چونکہ

مانتے ہیں کہ ان کے پیغمبر جو خدا کے بیٹے ہیں، وہ سولی چڑھا دیے گئے تھے۔ اسی کی یاد میں وہ صلیب لگاتے ہیں اور ان کا مذہبی نشان ہے، یہ تو یہودیت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھانے کا اہتمام کیا اور اپنے طور پر سولی چڑھوا دیا، لہٰذا ـــــ یہودیت (صہیونیت) کے نزدیک ان کی کتابوں میں جس مسیح کی پیش گوئی تھی وہ ابھی پوری نہیں ہوئی اور انہوں نے فرضی طور پر (اپنے انکار کو چھپانے کے لیے) عقیدہ بنا لیا ہے کہ مسیح ابھی آئیں گے اور وہ اصفہان میں ظاہر ہوں گے۔ یہود نے اپنے اس مسیح کی آمد کے لئے عیسائیوں کو سولی کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر غائب ہونے کا عقیدہ دیا اور اب 2nd-COMING کے لئے ان کی حمایت حاصل کر لی۔ بائبل کی کچھ آیات کا حوالہ دے کر عیسائیوں کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ کر کے اسرائیل کی ریاست کھڑی کی وہاں یہود کی آباد کاری کا انتظام کرایا اور اب 2nd-COMING میں اصفہان سے ظاہر ہونے والے مسیح کی حمایت بھی حاصل کر لی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو یروشلم میں رہے تھے وہیں آ کر لوگوں کو بشارت دے سکتے ہیں مگر اصفہان سے ظاہر ہونے کا تصور اپنے اجتماعی مقاصد حاصل کرنے کے لئے کوئی فرضی شخصیت تراش لینے کے فن کا شاہکار ضرور ہے۔

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شام میں واپسی (نزول) پر عیسائی اور یہودی دنیا پر لرزہ طاری ہے اور غیر معمولی (EXTRA ORDINARY) انتظامات کر کے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جبکہ اصفہان میں ہماری معلومات میں حکومت اور ایرانی عوام کی طرف سے 'مسیح' کی آمد کی کوئی مخالفت نہیں ہے۔

- عالمِ عیسائیت اور عالمِ یہودیت کی مخالفت بڑی منطقی (LOGICAL) ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اور بنی اسرائیل ہی کی طرف نبی تھے۔ مگر بنی اسرائیل ہی کے ایک مفاد پرست اور بگڑے طبقے نے جو رومیوں کی غلامی کے دور میں رومیوں سے مراعات اور خطابات لے رہا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کر دیا بلکہ حسبِ عادتِ قتلِ انبیاء میں ان کو بھی قتل کرنے کی ٹھان لی۔ مگر جرم کو چھپانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو آڑ بنا کر ان پر کئی مقدمات بنائے اور سزائے موت دے دی اور حکمرانوں کو اس

پر عمل درآمد کے لئے پیش بھی کر دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنتِ ثابتہ کے مطابق کہ (نبی اگرچہ قتل بھی ہوگئے) رسول کبھی مغلوب بھی نہیں ہوئے بلکہ غالب رہے (21:58) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اُٹھالیا اور یہود پر عذابِ الٰہی آ گیا۔ قرآن مجید میں سورہ ہود میں بیان کردہ چھ رسولوں کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

گزشتہ 2000 سال سے بنی اسرائیل کا یہ بگڑا ہوا گروہ عیسائیوں سمیت دنیا کو یہ باور کرا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی چڑھا دیے گئے اور وہ تو اصلی مسیح تھے ہی نہیں بلکہ حقیقی 'مسیح' تو اب اصفہان سے نکلیں گے۔ عیسائی جو سولی کے عینی شاہد تھے ان کو یہود نے بتایا کہ وہ سولی چڑھ گئے اور چند دنوں بعد زندہ ہو کر آسمانوں پر چلے گئے تھے، اب اصفہان سے دوبارہ آئیں گے۔ اس پر لٹریچر، کتب، مصنفوں، ادیبوں، شاعروں، واعظوں اور خطیبوں سمیت عیسائیت کی پوری مذہبی تنظیم اور مشرقی و مغربی چرچ سب شاہد ہیں مگر ـــــ اب جبکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام بنفس نفیس تشریف لے آئیں گے اور اپنی زبانِ حق ترجمان سے سابقہ واقعات اور حقائق بیان کر دیں گے تو بنی اسرائیل کے اس ملعون گروہ کا دنیا میں جو منہ کالا ہوگا اور بے عزتی ہوگی وہ بیان سے باہر ہے۔

- اسی خفّت کو مٹانے کے لئے یہود، عیسائی حکمرانوں اور اسرائیل کے بہی خواہوں کے ساتھ مل کر گزشتہ ایک صدی سے مشرق وسطیٰ میں حالات خراب کر رہے ہیں اور گزشتہ چند عشروں سے ملک شام کے حالات تو بالخصوص ان کے لئے ترجیح اول کے طور پر ہیں کہ یہاں ایسا انتظام کر دیا جائے کہ کوئی شخص یہاں اُتر نہ سکے۔ اس کے لیے عملی طور پر ہر ممکن اقدام کیا جا چکا ہے اور کئے جا رہے ہیں۔

(i) حال ہی میں امریکہ نے دمشق کے گرد آٹھ ائیر بیس مزید تعمیر کر دیے ہیں۔

(ii) شام بالخصوص دمشق کی آبادی کو جلا وطن کیا جا رہا ہے اور اس کی DEMOGRAPHY کو اپنی مرضی کے مطابق کیا جا رہا ہے۔ جیسے آج کی اصطلاح میں AGENCIES کا جال پھیلایا جا رہا ہے گویا ہر شہری جاسوس ہوگا اور مخبر ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جانی دشمن ہوگا اور قتل پر مامور ہوگا تاکہ آنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہیں پناہ نہ مل سکے۔

(iii) اس کے لئے SPY , SATELLITE CONTROL, RADARS

SPY DRONES, CAMERAS الغرض ہر ممکن جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کر کے آسمان سے اُترنے والے اس شخص (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا راستہ روکنا مقصود ہے۔

(iv) یہودیت اور اس کے بہی خواہوں کو ان انتظامات کے باوجود GUILTY CONSCIENCE ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام رسول تھے اور اللہ تعالیٰ رسولوں کو بچاتا ہے۔ لہٰذا آنے والے بچ جائیں گے۔ لہٰذا دوسرے مرحلہ، تیسرے مرحلہ، چوتھے مرحلہ حتیٰ کہ کئی BARRIERS کے باوجود وہ بچ نکلیں تو پھر کیا کرنا ہے۔ یہ تیاریاں بھی مختلف عنوانوں سے پریس اور میڈیا کی زینت بنتی رہتی ہیں اور نئی ایجادات کے تعارف سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انتظامات کی نوعیت اور وسعت کس حد تک پہنچ چکی ہے۔

● حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم میں

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحفاظت اتریں گے، زمین پر رہیں گے، دمشق سے فلسطین آئیں گے اور یروشلم پہنچیں گے۔ یہاں بنی اسرائیل نے خصوصی حفاظتی اقدامات اور انتہا درجے کا HI-ALERT کا انتظام کر رکھا ہے۔

یہاں تک کے واقعات کے بعد مسلمانوں کے لٹریچر (احادیث کے ذخیرہ) میں جو تفاصیل آئی ہیں اور جو کچھ عقلاً (اور نقلاً) سوچا سکتا ہے اس کے تحت جو صورت حال بننے والی ہے اس کا ہلکا سا خاکہ درج ذیل ہے:

(i) ہم مسلمانوں کے ہاں ذخیرۂ احادیث میں اس دور کی جو خبریں آئی ہیں ان میں ایک بڑی خبر یوں ہے کہ ایک بڑی جنگ ہوگی جسے اَلْمَلْحَمَةُ الْكُبْرٰى (بہت بڑی خونریزی والی جنگ) یا اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰى بھی کہا گیا ہے۔ یہ جنگ زیادہ تر مشرق وسطیٰ میں لڑی جائے گی۔ ایک پرندہ سات دن تک اڑتا رہے گا اور اسے سوائے لاشوں کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ یہ جنگ پھیل کر کئی محاذوں پر لڑی جائے گی۔ ترمذی شریف میں آیا ہے کہ قربِ قیامت کی اس جنگ میں سارے عرب ہلاک ہو جائیں گے یعنی وہ ممالک جو PRO-ISRAEL پالیسیاں رکھتے ہوں گے بنی اسرائیل (صہیونیت) کے ساتھ ساتھ وہ بھی عذاب کا نوالہ بن جائیں گے۔

(ii) مسیحی لٹریچر میں اس جنگ کو ARMEGADON کہتے ہیں عربی میں معرب کر کے

اسے 'ہرمجدون' کہا جاتا ہے۔ اس کے ڈکشنری میں معنیٰ یہ لکھے ہیں کہ یہ جنگ تاریخ انسانی کی سب سے بڑی اور خوفناک جنگ ہوگی، جو نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان لڑی جائے گی، جس میں ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے اور دوسری طرح مسیح الدجال یعنی نقلی مسیح ہوگا۔ حقیقی عیسیٰ علیہ السلام کے پاس مادی وسائل کم مگر آسمانی بادشاہت (اللہ تعالیٰ) کی بھرپور تائید ونصرت ہوگی۔ وہ پیغمبر ہیں، اُن کی حمایت میں آسمان زمین کی مادی اور روحانی قوتیں سر جھکائے کھڑی ہوں گی۔ بادل، ہوائیں اور بجلی وغیرہ اشارے کے منتظر ہوں گے، نگاہ میں بلا کی تیزی HI-TECH 'لیزز' کا سا اثر ہوگا۔ تمام انسانی ایجادات وٹیکنالوجی ان کے مدمقابل بے کار رہ جائے گی۔ جبکہ 'مسیح الدجال' کوئی یہودی رہنما اور 'مسیح' ہونے کے جھوٹ دعوے کے ساتھ ایک شخص میدان میں ہوگا۔ ایک فریق زمین پر اور دوسرا فریق فلسطین میں فضا سے اپنے لشکر کے جلو میں اپنی ٹیکنالوجی کی شان کے ساتھ اترے گا۔ اُسے ALIENS کی حمایت حاصل ہوگی اُڑن طشتریوں وغیرہ کا تصور اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

- مسلمانوں کے نزدیک زمین پر موجود شخصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام حقیقی مسیح ہوں گے جو دمشق میں اتر کر شام سے فلسطین میں اپنے علاقے میں آئیں گے۔ فلسطین میں زمین پر موجود حقیقی 'مسیح' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حمایت حاصل ہوگی مخلص توحید پرست عیسائیوں کی، دنیا بھر کی 60 مسلمان ریاستوں کے مخلص مسلمان عوام کی، امریکی بالادستی کے تصور کے ستائے ہوئے افغانستان، عراق، شام، مصر، سعودی عرب وغیرہ کی خاموش مسلمان اکثریت کی اور ظلم وجبر میں پسی ہوئی مسلمان اقلیتوں کی جیسے کشمیر، چیچنیا، برما، حیدرآباد دکن، جونا گڑھ اور افریقی ممالک میں عیسائیت کے ستائے مسلمانوں وغیرہ کی۔ اوپر فضا سے اترنے والا (LAND کرنے والا) ایک بدکردار شخص 'دجال' ہوگا جو 'مسیح' ہونے کا جھوٹا دعویٰ لے کر کھڑا ہوگا۔ اس کو دنیا کے یہودیوں اور یہودیوں کے حمایتیوں اور بہی خواہوں کے علاوہ کرائے کی فوجوں اور IMF اور .W.B کے مقروض ملکوں کے حکمرانوں، حقوقِ نسواں کی عالمی تحریک کے حمایتیوں، اسلام کے خلاف بولنے والے دنیا بھر کے میڈیا پرسنز (اینکر پرسنز) کی حمایت حاصل ہوگی۔ دنیا بھر کی چھوٹی اسکرین اور بڑی اسکرین کے آسکر ایوارڈ یافتہ فنکار، فلمی ستارے، کرکٹ کی دنیا کی نامور شخصیات، تمام گلوکار،

سیکولرازم کی حمایت کرنے والے تمام مذہبی اور غیر مذہبی لوگ، دنیا کے کرپٹ سیاستدانوں، عیاش ایلیٹ طبقات، بے حیائی فحاشی کے رسیا، دین سے دور عوام، جھوٹی نبوت کے پیروکار قادیانی گروہ اور سب سے بڑھ کر UNO اور NATO کی حمایت حاصل ہوگی۔ مزید برآں فلسطین میں اصفہان سے آنے والے اس 'مسیح' کو حمایت حاصل ہوگی دنیا بھر کی طوائفوں کی، ہالی وڈ اور بالی وڈ میں فلم اور شوبز کی انڈسٹری سے وابستہ فنکاروں کی، حرام کمائی کے تمام شعبوں سے وابستہ افراد کی اور LGBT اور GAY کلچر کے پرستاروں کی اور تمام اسلام دشمن طبقات کی۔ یوں ایک نگاہ ڈالتے ہی پتہ چل جائے گا کہ اس 'ہرمجدون' میں نیکی کی قوتیں کس کے ساتھ اور بدی کی قوتیں کس کے ساتھ ہیں۔ سچا کون ہے؟ اور جھوٹا کون؟

- ایک فرمانِ رسالت مآب ﷺ میں یوں آیا ہے کہ افغانستان، پاکستان شمالی علاقہ جات اور کشمیر سے مجاہدین سیاہ جھنڈے لے کر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی حمایت میں نکلیں گے اور انھیں کوئی روک نہیں سکے گا یہاں تک کہ وہ ایلیا (بیت المقدس) میں جا کر ان جھنڈوں کو گاڑ دیں گے۔ حقیقی حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو زمین پر ہوں گے) ایک بڑی خوفناک جنگ کے بعد دجال کو اسرائیل کے LYDA ائیربیس کے دروازے پر قتل کر دیں۔ دجال کی آنکھوں کے درمیان ماتھے پر ک ف ر لکھا ہوگا۔ یاد رہے کہ اسرائیل کی ائیرفورس کے سرکاری نام کا مخفف عبرانی زبان کا ک ف ر ہے جسے عبرانی میں یوں لکھیں گے '.....'۔ اس جنگ میں سارے یہودی ہلاک ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں آیا ہے (سورۃ بنی اسرائیل، پہلا رکوع) کہ پہلے بھی دو مرتبہ یہود نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا پا چکے ہیں۔ اب محمد ﷺ کے تشریف لانے پر انہیں موقع ملا کہ وہ توبہ کر کے اچھے مسلمان ثابت ہوں مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا اور یہود نے اپنے صہیونی ذہن کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو ستایا جنگوں میں اُلجھایا، قتل کے منصوبے بنائے، جلاوطن ہوئے، شکست کھائی مگر توبہ نہ کی۔ اس لئے یہود تیسری مرتبہ کے لئے ساری دنیا سے جھاڑ دے کر اسرائیل میں اکٹھے کیے جائیں گے (بعض پہلے سے اسرائیل میں آباد اور بعض مقتدر (ارب پتی یہود) مسیح الدجال کے ساتھ فلسطین میں اتریں گے اور انجام کو پہنچیں گے)۔
- شام میں اترنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں تباہی کے خوف سے بہت سے

امیر سے امیر کبیر یہودی اسرائیل آ کر آباد نہیں ہوئے کہ شاید اسی طرح تباہی سے بچ جائیں گے مگر اب حالات قریب آتے دیکھ کر انہیں روئے زمین پر کہیں بھی بچاؤ کی صورت نظر نہیں آتی۔ قرآن میں ان حالات کا تذکرہ بالواسطہ طور پر سورۃ رحمٰن کے شروع میں ہے کہ ایک وقت آئے گا زمین پر ہر جاندار ہلاک ہو جائے گا۔ پھر ذکر ہے کہ اے شریر جنو اور انسانو! تم جتنے جتن کر لو ــــــ اب ختمِ نبوت اور تکمیلِ دین (نزولِ قرآن مجید) کے بعد ہم صرف تمہارے پیچھے لگیں گے اور تم زمین سے نکل کر نظام شمسی کے سیاروں پر جا کر پناہ لے لو، تو تب بھی تم بچ نہیں سکتے۔ گویا 'مسیح الدجال' کو شریر جنوں اور ابلیس کی حمایت حاصل ہوگی اور یہ جنگ زمینی جنگ کے علاوہ فضا اور SPACE میں لڑی جائے گی۔ STAR WARS وغیرہ کے نام سے مغربی دنیا میں تین چار عشروں سے تیاریاں جاری ہیں اور حقیقی مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے فضاؤں اور نظام شمسی میں دور تک میزائلوں وغیرہ کی جنگ ہوگی۔ قرآن مجید میں ہے کہ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ O فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ O (36-35:55)

یہودی اور ہر قوم کے حرام خور اور سود خور لوگ جو سرمایہ کو پوجتے ہیں وہ سب اس آنے والی تباہی سے خوف زدہ ہیں اور GUILTY CONSCIENSE ہونے کی وجہ سے مقابلے کی تیاریاں بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ شکست کھا کر بھاگنے کی بھی۔ یہ اسی سوچ کا حصہ ہے کہ دنیا میں عوام کو لوٹ کر دولت کو جمع کرنے والا طبقہ اب فضا (SPACE)، مریخ، چاند وغیرہ میں انسانی بستیاں بسانے کے منصوبے بنا چکا ہے۔ ایک طرف یہ منصوبے یہودی دوسروں سے پیسے بنانے کے لئے استعمال کریں گے اور دوسری طرف تباہی سے بچنے کا انتظام سوچیں گے، مگر اوپر درج فضائی جنگ میں آسمان سے شہاب ثاقب گرنے سے انہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔

- اصفہان سے اٹھنے والی یکے بعد دیگرے تین شخصیات میں سے دو کا تذکرہ یہاں آ گیا ہے یعنی ایک یہودی قوم کا 'مسیح' جو بزعم خویش تورات کی پیش گوئیوں کے مطابق مسیح کا روپ دھارے گا مگر مسلمانوں کے نزدیک جھوٹا اور جعلی ہوگا، جبکہ دجال بھی اصفہان سے نکلے گا۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ دجال اصفہان سے نکلے گا اور اصفہان میں آباد ستر ہزار سیاہ پوش یہودی اس کے ساتھ ہوں گے۔ یہی شخص فلسطین پر حملہ کر کے شام سے آنے والے حقیقی 'مسیح' حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گے۔

اصفہان سے ظاہر ہونے والی تیسری بڑی شخصیت اثنا عشری شیعہ مسلک کے نزدیک آنے والا بارھواں امام ہے جس کا وہ صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں۔ یہ 'امام منتظر' اس سارے منظر نامے میں کیا کردار ادا کریں گے ہم اس پر کسی تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اس پر خود اسی مسلک کے علما ہی کما حقہ روشنی ڈال سکتے ہیں۔ ہم ماضی کی روشنی میں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شام میں آنا شیعہ روایات سے بھی ثابت ہے اور شیعہ سنی ختمِ نبوت اور کئی دیگر معاملات میں متحد ہوتے آئے ہیں لہٰذا ـــــ علی سبیل التغلیب ہم امید اور توقع کر سکتے ہیں کہ اثنا عشری شیعہ مسلک کے لوگ شام میں اترنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی ساتھ دیں گے اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

● ہمارے نزدیک دنیا بھر میں آج کی مغربی بالادستی کے روپ میں ساری جنگیں، ساری ترقی، ساری صنعتیں اور ساری سرمایہ کاری آنے والے وقت کے اس منظر نامے کے پیش نظر ہی کی جا رہی ہے اور دنیا خواہی نخواہی اس میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کوئی زمینی عیسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں جان دے گا اور کوئی فلسطین میں فضا سے آنے والے 'مسیح الدجال' کی حمایت میں مارا جائے گا۔ دنیا میں بہت بڑی تباہی آنے والی ہے۔ مشہور شاعر فیض احمد فیض کی رُباعی جو انھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا میں ساتھیوں سمیت شہادت کے بارے میں کہی تھی، وہ اشعار یہاں حقیقی عیسیٰ علیہ السلام اور مسیح الدجال کے درمیان جنگ میں تباہی پر من و عن صادق آئیں گے

پھول مسلے گئے فرشِ گلزار پر　　دعوتِ رقص تلوار کی دھار پر
دعوتِ بیعت شاہ پہ ملزم بنا　　کوئی اقرار پر، کوئی انکار پر

کچھ لوگ قرآن مجید میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر ان کو مان کر شہید کر دیے جائیں گے اور کچھ ان کا انکار کر کے جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

دجال کے حمایتیوں (ALIENS) کی فہرست پر نظر ڈال کر ہر سلیم الفطرت اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ دجال کے قتل اور اس کے حمایتیوں کی شکست کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی زندگی میں روئے ارضی پر ایک خدا شناسی کا دور آئے گا جہاں انسان دوست، اخلاق دوست

اور علم دوست ماحول ہوگا، عدل وانصاف ہوگا، بے حیائی، بدکرداری اور جھوٹ فراڈ کا خاتمہ ہوگا اور دنیا ایک عرصے بعد وحی آسمانی کی روشنی میں پرسکون زندگی گزارے گی۔ ان شاءاللہ۔

● یہ قول مشہور سائنسدان آئن سٹائن (م 1955ء) کی طرف منسوب ہے کہ تیسری جنگ عظیم تو یقیناً بڑے خوفناک قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ لڑی جائے گی اور اس سے روئے زمین پر بڑی تباہی آجائے گی مگر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے بعد جو جنگ ہوگی وہ پتھروں اور لاٹھیوں سے ہی لڑی جائے گی۔ اس لئے کہ ساری ٹیکنالوجی تباہ ہو چکی ہوگی۔ جیسے اہرامِ مصر کی تعمیر میں آج سے چار ہزار سال پہلے استعمال ہونے والی انتہائی اعلیٰ ٹیکنالوجی فراعنہ مصر کے بعد نظر نہیں آتی۔ واللہ اعلم (ختم شد)

حمد ربّ العالمین

از : محمد سعید بدر قادری، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

اے خداوند جہاں خالقِ عرش بریں! ہر دو عالم میں تیرا ہمسر نہیں، ثانی نہیں
تو ہی واحد ہے زمانے بھر میں، تو ہی لاشریک تو ہی مالک، تو ہی رازق، تو ہی ربّ العالمین
حکم سے تیرے ہیں گردش میں مہ و مہر و نجوم تیری قدرت سے جہانِ رنگ و بو احسن ترین
آگ، پانی اور ہوا، یہ باغ و راغ و کوہسار یہ سمندر، دشت و دریا، آبشارانِ حسیں
آسمان پر سب ستارے ہیں قطار اندر قطار تو نے حکمت سے سجائے ہیں نگیں اندر نگیں
ہر ستارہ منزلِ مقصود کی جانب رواں سر جھکائے پیشِ آئینِ الٰہ العالمین
تو نے تاروں کو ضیا بخشی، قمر کو روشنی اور جگنو کو چمک دے کر بنایا ہے حسیں
اک شرارِ زندگی آدم کو بھی بخشا گیا ذرّہ ذرّہ دہر کا جس کی بدولت ہے حسیں
شکر تیری نعمتوں کا ہو بھلا کیسے ادا غور کرتا ہے جب انساں تو جھکاتا ہے جبیں
جس کو واعظ نے بٹھا رکھا ہے سدرہ سے پرے وہ مرا محبوب ہے، میرے جگِ جاں کے قریں
میری بخشش کا فقط ہے، تیری بخشش پر مدار میرے دامن میں عمل کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں
پھول کی خوشبو میں تو، حسنِ مہ و انجم میں تو وسعتِ صحرا و دریا تیری عظمت کی امیں
ناتواں بدرؔ حزیں آیا تیری سرکار میں مغفرت فرما! برائے رحمت للعالمین

ایک اہم سیمینار

فکر اقبال کی روشنی میں

21ویں صدی میں ایک جدید اسلامی نظریاتی فلاحی عوامی ریاست

پاکستان کے نظامِ تعلیم کے خدوخال

افتتاحی کلمات

انجینئر مختار فاروقی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

صدرِ مجلس، معزز مہمانانِ گرامی اور معزز حاضرین! آج کی یہ محفل جو ''فکر اقبال کی روشنی میں، 21ویں صدی میں، پاکستان کے نظامِ تعلیم کے خدوخال'' کے عنوان سے ترتیب دی گئی ہے، میں نے ضروری سمجھا ہے کہ آپ حضرات کے سامنے اس کی وجہ بھی رکھ دی جائے تاکہ مقررین حضرات کے لئے بھی ایک خاص محدود سا میدان ہو کہ اسی میدان میں انہوں نے گفتگو کرنی ہے اور سامعین حضرات کے لئے بھی بہت زیادہ ذہنی انتشار کا باعث نہ ہو کہ یہ موضوع کس کس شعبے سے متعلق ہوگا اور اس میں کیا باتیں کہی جائیں گی۔

یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان کے قیام میں اگر کوئی ایک بھاری بھرکم شخصیت ہے جو پاکستان کے قیام کا باعث بنی تو وہ علامہ اقبال کی شخصیت ہے۔ یہ صرف ہم مسلمانانِ پاکستان ہی نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ قیامِ پاکستان کے وقت ایک مغربی برطانوی استعمار، جو خدائی کا دعویدار تھا اور دنیا میں لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْم کا ناقوس بجا رہا تھا، اس کے اپنے یہ الفاظ ہیں۔ اس وقت کا جو وزیراعظم ہے جب قیامِ پاکستان کے مراحل طے ہو رہے تھے، اس وقت جو گفتگوئیں ہو رہی تھیں اور خط و کتابت اور ٹیلی گرام ایک دوسرے کو آ جا رہے تھے، برطانوی قانون کے مطابق (اب ہمارے ملک میں بھی بن چکا ہے کہ) ایسے راز تیس، چالیس سال بعد افشاء

ہوجاتے ہیں اور وہ عوامی دسترس میں آجاتے ہیں کہ عوام بھی پڑھیں کہ تیس، چالیس سال پہلے حکومت کے لوگ آپس میں کیا گفتگو کررہے تھے کیا میٹنگیں ہورہی تھی اور ان کے مندرجات کیا تھے۔ تو ٹائم رسالے میں 1996ء میں غالباً چھپا تھا کہ جب پاکستان کا قیام عمل میں آرہا تھا اس وقت کا جو برطانوی وزیراعظم تھا اُس نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا (جس کا خلاصہ ہم نے حکمت بالغہ میں بھی ایک سے زیادہ دفعہ شائع کردیا ہے) کہ نہ کانگریس چاہتی تھی کہ پاکستان بنے، نہ برطانوی حکومت اور برطانوی استعمار چاہتا تھا کہ پاکستان بنے اور نہ یہاں جو مقامی وائسرائے تھا اور برطانوی ریپرزنٹیشن تھی وہ چاہتی تھی، نہ مسلمانوں میں اتنی جان تھی کہ وہ ہندو سے لڑکر پاکستان حاصل کرسکیں۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ ایک شاعر تھا علامہ اقبال، اس نے قوم میں ایسی روح پھونکی اور اپنی شاعری کے ذریعے ایسا جذبہ پیدا کردیا تھا کہ پوری قوم کھڑی ہوگئی۔ پہلے تحریک خلافت کے عنوان سے کھڑی ہوئی، جب برطانیہ نے خلافت ختم کی اور ہم اس وقت برطانیہ کے محکوم تھے اور محکومی میں ہم نے وہ تحریک چلادی کہ برطانیہ کا اقتدار ڈول گیا ہے۔ اور باقی پورے عالم اسلام میں کہیں کوئی تحریک نہیں چلی کوئی اثرات نہیں ہوئے جنوبی ایشیا کی اس محکوم قوم نے یہ کارنامہ کردکھایا۔ اور پھر علامہ اقبال کا 1930ء کا خطبہ بھی بہت اہم ہے۔ اس میں اس شخص نے اعلان کردیا تھا جس سے وہ پوری قوم پاگل ہوگئی۔ یہ اُس کے الفاظ ہیں۔ اور پھر پاکستان کا قیام ممکن ہوگیا۔ مغلوں کے عہد میں پورے جنوبی ایشیا پر مسلمان حکمران تھے وہاں سے برطانیہ نے حکومت چھینی تھی اور پھر اس کے بعد جو مراحل آئے وہ تاریخ کا حصہ ہیں جو اہل علم ہیں ان کو معلوم ہے، یوں پاکستان وجود میں آگیا۔

پاکستان ایک خاص مشن کے تحت وجود میں آیا تھا۔ علامہ اقبال کے الفاظ ہیں کہ ''ہم دور جدید میں اسلام کی تعلیمات کا ایک نمونہ لوگوں کو دکھائیں گے''۔ بوجوہ ابھی تک ایسا نہیں ہوسکا۔ قرآن مجید کی تعلیمات کا حاصل بھی یہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت عالمی ہے اور قیامت تک کے لیے ہے اور دنیا میں چاہے ایک دن کے لئے اسلام غالب ہو پوری دنیا پر GLOBAL DOMINATION OF ISLAM ہوکر رہے گا اور دشمن کوشش کرلے کہ نہ ہو تب بھی ہوکر رہے گا۔

يُرِيدُونَ لِيُطفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِاَفوَاهِهِمۡ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَ لَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ (08:61)

اوراحادیث میں بھی یہی ہے۔کئی مشہوراحادیث ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں کوئی گھر اور کوئی خیمہ ایسانہیں رہے گا کہ جس میں کہ اسلام داخل نہ ہو جائے۔اسلام کا غلبہ ہوگا اور وہ پورے عالم پر ہوگا۔ پہلے ایک ملک میں ہوگا پھر دوسرے میں پھر تیسرے میں اور پھر پورے عالم میں ہو جائے گا۔قرآن کا بھی تقاضا یہی ہے کہ ایسا ہو،احادیث کا بھی تقاضا یہی ہے کہ ایسے ہواور جنوبی ایشیا کے سیاسی حالات اور تاریخی عوامل کا بھی تقاضا تھا کہ یہ ہواور دنیا میں پچھلی پانچ چھ صدیوں سے جو کچھ ہورہا ہےاور مغربی استعمار نے جو ظلم انسانیت پر کیے ہیں اور جہاں جہاں سے انسانیت اپنا منہ کالا کرا کے آج کھڑی ہے اس کا منطقی نتیجہ بھی یہ ہے کہ انسانیت ایک امن اور سکون کے ماحول میں آئے۔انسانیت تلاش میں ہے اور وہ ٹھوکریں کھا کر بالآخر لازماً اسلام کے دامن میں آئے گی۔علامہ اقبال ہی نے کہا ہے:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
زانکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفٰیﷺ او را بہا ست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفٰیﷺ ست

دنیا ٹھوکریں کھا رہی ہے،اس نے آنا بالآخر وہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدﷺ کے ذریعے دنیا کو ہدایت دی ہے۔یہی انسانی فطرت میں ہے اور یہی کچھ ہوگا۔باقی تو شیطانی دھندا ہے شیطانی کام ہیں مغربی استعمار شیطان کا ایجنٹ ہے اور مغربی تہذیب شیطانی تہذیب ہے جو انسانوں کو گمراہ کر رہی ہے جیسے ہی اس کا دباؤ ذرا کم ہوگا اور انسانی فطرت کا داعیہ بیدار ہوگا تو محمدﷺ کی تعلیمات کی طرف دنیا ازخود لوٹ آجائے گی۔

یہ وہ پس منظر ہے کہ پاکستان کس لئے بنا تھا اور اگر کسی ایک شخصیت کا نام لیا جائے تو علامہ اقبال ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو اس کا باعث بنے ہیں۔قائداعظم نے اس رُخ پر محنت کی تو یہ ہو گیا لیکن قائداعظم بھی علامہ اقبال کے مرید ہیں۔پاکستان بننے کے بعد کیا ہوا؟ یہ ایک الگ داستان ہے اور اس میں بھی بہرحال جو حالات جا رہے ہیں اور جدھر ہم بڑھتے جا رہے ہیں وہ اسی

کی طرف ہے کہ بالآخر اس ملک میں اسلام کا غلبہ ہوگا اور اسلام کی وہ تشریح غالب ہوگی جو علامہ اقبال نے کی تھی۔

پاکستان میں ہم سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے کئی مکاتب فکر موجود ہیں۔ شیعہ سنی کی تقسیم تو ایک موٹی سی تقسیم ہے۔ اہل سنت میں بھی آگے مزید تقسیم ہے۔ ایک ہمارے سلفی بھائی ہیں ان کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہے اور ان کا تعلق محمد بن عبدالوہاب، امام ابن تیمیہ اور ان جیسے اکابرین دین (رحمۃ اللہ علیہم) کے ساتھ ہے۔ دوسرا ایک دھارا دیوبندی حلقے کا ہے ان کا ایک اپنا ماضی ہے تحریک شہیدین اور جنگ آزادی کے ضمن میں مجاہدانہ زندگی کے امین ہیں۔ اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو مذہبی لحاظ سے معروف معنی میں بریلوی کہلاتے ہیں ان کا ایک اپنا ماضی اور نقطۂ نظر ہے۔ انگریز کے آنے سے اس میں جو ایک اور تقسیم ہوگئی اور ایک دراڑ پڑ گئی تھی وہ یہ کہ ایک ہماری قدیم مذہبی روایات ہیں اسلامی تعلیم ہے مدارس کی تعلیم ہے جو مدرسوں اور دارالعلوموں میں دی جاتی تھی کہ قرآن پڑھو حدیث پڑھو منطق پڑھو پرانی کتابیں پڑھو بس اللہ اللہ خیر سلا اور ایک وہ جدید مغربی نظام تعلیم آ گیا جو انگریز نے رائج کر دیا اور اس کا سب سے بڑا مسلمانوں کا نمائندہ برصغیر جنوبی ایشیا میں علی گڑھ بن گیا۔ مسلمانوں نے مجموعی طور پر انگریزی اداروں کا مزاجاً بائیکاٹ کیا تھا لیکن سرسیّد احمد خان نے علی گڑھ کا ادارہ بنا کر اس کو NEUTRALIZE کر دیا کہ یہ تو ہمارا اپنا ادارہ ہے اس میں پڑھنا چاہئے۔ نصاب اگرچہ وہی تھا۔ وہاں سے جو کچھ لوگ پڑھ کر نکلے وہ ایک اپنا ذہن رکھتے ہیں۔ جو لوگ علی گڑھ میں گئے تھے اور اس فکر سے متاثر ہو گئے تھے علامہ اقبال میری ذاتی رائے ہے کہ ایک مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے سرسیّد احمد خان کے ان کے افکار کو کھنگال کر ان کے اچھے برے کو الگ کر کے اچھائیوں کی طرف یعنی قرآن، حدیث، دین اسلام کی طرف لگا دیا اور قیامِ پاکستان میں حقیقتاً سب سے زیادہ جو حصہ ڈالا ہے وہ علی گڑھ کے طلباء نے ہی ڈالا ہے اور اس کو ممکن بنا دیا کہ پاکستان بن جائے۔ علامہ اقبال 1929ء میں علی گڑھ گئے تھے وہاں جو انہوں نے دیکھا تھا کہ ہوسٹلوں میں بڑے بڑے نوابوں کے بچے پڑھ رہے ہیں اور قالین بچھے ہوئے ہیں اور صوفے رکھے ہوئے ہیں، اُمرا اور نوابوں کے بچے پڑھتے تھے علامہ نے اس پر اردو میں ایک نظم لکھی تھی اس میں تو اس پر تنقید کی تھی کہ یہ صوفے نہیں ہونے چاہئیں طالب علمی

میں تو آدمی کو سخت کوشی سے کام لینا چاہئے اور ROUGH AND TOUGH زندگی گزارنی چاہئے لیکن جوانہوں نے فارسی میں کلام کہا ہے کہ

ع من بسیمائے غلاماں سرِّ سلطاں دیدہ ام

علامہ 1929ء میں کہہ رہے ہیں کہ یہ ملک آزاد ہوگا اور یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی اور علی گڑھ کے نوجوانوں سے کہا کہ تم نوجوان جو میرے سامنے بیٹھے ہو میں تمہارے ماتھے پر بادشاہوں جیسا مقدر دیکھ رہا ہوں کہ تم بادشاہ بنو گے، تم اسلام کے غلبے کا باعث بنو گے اور واقعتاً ایسا ہی ہوا کہ اسی علی گڑھ کے نوجوان پاکستان کی بیوروکریسی میں نمایاں رہے اور پاکستان کے قیام کے بعد اگلے پچیس سال تک اسی طبقے نے پاکستان کو چلایا۔ شاید ابھی تک اسی کے اثرات ہیں کہ عالم اسباب میں پاکستان میں کوئی نادیدہ ہاتھ اور ایسی قوت ہے جو اس کو ٹوٹنے نہیں دیتی۔ اس کو اسٹبلشمنٹ کہہ لیں یا جو بھی کہہ لیں۔ ایک حد تک حالات خراب ہوتے ہیں اور پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

جو بات میں کہنا چاہ رہا ہوں کہ پاکستان ایک ملک ہے جو رہنے کے لئے بنا تھا اور رہنے کے لئے ہی دنیا میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی خصوصی طور پر حفاظت کر رہا ہے اور علامہ اقبال اس کا باعث بنے تھے اور آج بھی علامہ اقبال کی شخصیت پاکستان کے لوگوں کو جوڑنے کے لئے سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ شیعہ مسلک کے لوگ بھی منبر و محراب پر ان کے شعر پڑھتے ہیں، اہل حدیث بھی، دیوبندی بھی اور بریلوی بھی، صوفی بھی، عالم بھی اور علی گڑھ کے لوگ بھی، ملحد بھی اور جاہل بھی، سب پڑھتے ہیں اور صاف ظاہر ہے ان سے وہ لطف لیتے ہے اور محسوس کرتے ہیں کہ اس میں کوئی جان اور جذبہ ہے۔

اسلام کا غلبہ اگر قرآن وحدیث کی رو سے ہونا ہے اور علامہ اقبال کی اپنے فکر کی رُو سے ہونا ہے تو وہ تشریحات وہ ذہن جو علامہ اقبال نے دیا ہے وہ پاکستان کو جوڑنے اور آگے لے کر چلنے کا باعث بنے گا اس کے علاوہ کوئی چیز پاکستان کو نہ متحد رکھ سکتی ہے اور نہ اس کو آگے اپنے مقصد کی طرف دھکیل سکتی ہے۔ تو آج کی یہ کانفرنس اسی لئے ہے کہ 21ویں صدی میں ہم کھڑے ہیں پاکستان کو بنے ہوئے تقریباً 70 سال ہو رہے ہیں اور پاکستان کو دورِ حاضر کی جدید اسلامی،

نظریاتی، فلاحی، عوامی ریاست بننا ہے اور عالمی سطح پر نمونہ بننا ہے۔ مغرب چاہے جتنا زور لگا لے یہ ہو کر رہے گا۔ اس ریاست کے لئے ایک نظام تعلیم جو اس کے نوجوانوں میں ایسا ذہن پیدا کرے جو اسلام کے غلبے کی طرف لے جائے، وہ نظامِ تعلیم کونسا ہوگا؟

ہماری درخواست ہے ہمارے معزز مہمانان سے کہ وہ اس ضمن میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے کہ پاکستان آنے والے دنوں میں دنیا میں عالمی اسلامی غلبے کی بنیاد بننے والا ہے اور یہاں کے نوجوانوں کو اس کا ہراول دستہ بننا ہے تو ان کی ذہنی تربیت ایسی کی جائے، ان کے ذہن میں وہ مواد ڈالا جائے جس کی مختلف اطراف (DIMENSIONS) ہوں۔ ہمارے نوجوان قرآن بھی جانیں، حدیث بھی جانیں، ماضی بھی جانیں، احادیث کی رو سے مستقبل بھی جانیں، دنیا کی بھی فکر کریں آخرت کی بھی فکر کریں اور پاکستان کو دنیا کے سامنے جدید دور میں ایک نمونے کی ریاست بنا کر دکھا دیں جیسا کہ بانیانِ پاکستان کا خیال تھا۔ یہ ایک مشکل مرحلہ درپیش ہے اور ہماری اپنے معزز مہمانان سے گزارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں کوئی قابل عمل تجویز اور حل دے کر جائیں تاکہ اس کی روشنی میں آگے سوچا جا سکے اور قابل عمل تجاویز ہوں جن پر عمل کر کے پاکستان کو واقعتاً دنیا کے سامنے چلتا پھرتا اسلام کا نمونہ بنا سکیں۔ میں اسی پر اپنی گفتگو ختم کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس سلسلے میں اپنی توانائیاں صرف کرنے، محنت کرنے اور آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔ (ختم شد)

الکاسب حبیب اللہ

محنت کر کے روزی کمانے والا اللہ کو پسند ہے

آلِ اسماعیل علیہ السلام

(سیرتِ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

ساجد محمود مسلم

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر اپنی خصوصی برکات کا نزول فرمایا اور آلِ ابراہیم میں نبوت کا سلسلہ جاری فرمادیا۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند سیّدنا اسحاق علیہ السلام کو سیّدنا یعقوب علیہ السلام عطا فرمائے جن کا لقب اسرائیل (اللہ کا غلام) تھا۔ چنانچہ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا۔ جتنے انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے کسی دوسری قوم میں پیدا نہیں ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کا تذکرہ بڑے اہتمام اور تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے، یہاں تک کہ ایک مستقل سورہ بنی اسرائیل کے نام سے معنون ہے۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹھے فرزند اور ذبیح اللہ سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ نسل در نسل تو نہیں چلا مگر آلِ اسماعیل میں امام المرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نے آلِ اسماعیل کو سارے جہانوں سے ممتاز کر دیا۔ نیز اسماعیل علیہ السلام کو اس لحاظ سے ابوالعرب کہنا بھی درست ہے کہ وہ فصیح عربی جس میں قرآن حکیم نازل ہوا اصلاً سیّدنا اسماعیل علیہ السلام سے ماٴخوذ ہے اور آلِ اسماعیل اس قرآنی عربی مبین کی وارث قرار پائی۔

قرآن حکیم میں آلِ اسماعیل کا تذکرہ صرف اشارتاً ہی کیا گیا ہے، جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ جن لوگوں کی طرف براہِ راست قرآن بھیجا گیا تھا ان کا تعلق آلِ اسماعیل ہی سے تھا اور وہ اپنی تاریخ سے بخوبی آگاہ تھے۔ ان کے برعکس بنی اسرائیل نے چونکہ اپنی تاریخ میں بہت زیادہ

تحریف کر دی تھی اور بہت سے حقائق چھپا لیے تھے اس لئے ان کی صحیح تاریخ اجاگر کرنا ضروری تھا، جو اصلاً انبیاءِ بنی اسرائیل کی تاریخ ہے۔

سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے اپنی قوم کے سردار ہوئے۔ تاہم ان کے دو بڑے بیٹوں نابت اور قیدار کی اولاد بہت زیادہ پھلی پھولی اور جزیرۃ العرب میں پھیل گئی۔

بنو قیدار:

بنو قیدار کا قبیلہ نہ صرف بہت پھلا پھولا بلکہ یہ کئی صدیوں تک جزیرۃ العرب کے شمالی حصے میں برسرِ اقتدار رہا۔ اہلِ مغرب بنو قیدار کو Kedarites کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بائبل کی کتاب الایام (1Chronicles,1:29) میں بنو قیدار کی شان و شوکت کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء حزقیل، یرمیاہ اور یسعاہ (علیہم السلام) کے اسفار میں بھی بنو قیدار کا ذکر موجود ہے۔ تاہم بائبل سے باہر تاریخی طور پر بنو قیدار کا تذکرہ سوریا (شام) سے ملنے والے آثارِ قدیمہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ قدیم مؤرّخین نے بھی بنو قیدار کی عظمت کے گن گائے ہیں۔ پانچویں صدی قبل مسیح کے مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے اپنی کتاب Historia میں اور پہلی صدی قبل مسیح کے رومی مؤرخ دیودور الصقلی (Diodorus Siculus) نے اپنی معروف کتاب Bibliothica Historica میں بنو قیدار سے تعلق رکھنے والے عرب بادشاہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تاریخی کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ بنو قیدار کا دارالسلطنت اور اہم ترین تجارتی مرکز عرب کا مشہور تاریخی شہر دومۃ الجندل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دومہ کا نام سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے دوما کے نام پر رکھا گیا تھا۔ (Wikipedia:Qedarites)

بنو نابت:

مکہ کی شہری ریاست کا بانی سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کا گھرانہ تھا۔ اس لیے وہی اس کے پہلے رئیس و حاکم تھے۔ ان کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے نابت مکہ کے رئیس بنے۔ جناب نابت کی وفات کے بعد بنو جرہم نے مشاورت کے بعد سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کے سسر اور جناب نابت کے نانا جان مضاض بن عمرو الجرہمی کو مکہ کا رئیس منتخب کر لیا، جبکہ بنو نابت نے اپنے ننھیال کی مخالفت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ (البدایہ والنہایہ: 108/3)

بعد ازاں مکہ کی ریاست بنو جرہم میں نسل در نسل منتقل ہونے لگی اور بنونابت اس پر راضی رہے۔ تاہم ذرائع معاش اور خوراک کی تلاش نے انہیں مکہ سے باہر جانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ وہ حجاز کے اطراف میں پھیل گئے۔ رفتہ رفتہ ان کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور ان کی سکونت کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ تا آنکہ ان کی بستیاں شمال میں سوریا (شام) اور جنوب میں عسیر تک آباد ہوگئیں۔ تاریخ میں بنونابت کی ان وسیع بستیوں کی داستانیں محفوظ ہیں۔

انباط اور بنونابت

انباط (واحد: نَبطی یا نُباطی) ایک ایسی قوم ہے جس کے اصل ونسب کے بارے میں اہل عرب مختلف الرائے ہیں۔ تاہم جدید عصری تحقیقات اور قدیم عربی ادب کو ملا کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچا جاسکتا ہے۔ عموماً اہل عرب انباط کو عجمی تصور کرتے ہیں۔ جیسا کہ لسان العرب میں صراحت ہے:

و فی المحکم: ینزلون سواد العراق و هم الانباط والنسب الیهم نبطی، و فی الصحاح: ینزلون بالبطائح بین العراقَیْنِ (لسان العرب، ج 7، ص 411، مادہ: نبط)

''المحکم (لغت) میں ہے کہ وہ لوگ جو سوادِ عراق میں آباد ہیں وہ انباط ہیں اور ان سے منسوب شخص نبطی کہلاتا ہے۔ جبکہ لغت الصحاح میں ہے کہ وہ دونوں عراقوں (عراق عرب اور عراق عجم) کے درمیان سنگلاخ وادیوں میں آباد ہیں۔''

مصباح اللغات میں ہے:

النَّبَط: ایک عجمی قوم جو عراقین کے درمیان آباد رہتی تھی۔ (مصباح اللغات: ص 849)

انباط کو عجمی تصور کرنے کا ایک سبب جزیرۃ العرب کی شمالی حدود کا غلط تعین ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ فرضی خط جو خلیج عقبہ اور خلیج العربی کے شمالی کناروں کو شرقاً غرباً ملاتا ہے وہ جزیرۃ العرب کی آخری شمالی سرحد ہے۔ حالانکہ جغرافیائی، ثقافتی اور تاریخی حقائق کو پیشِ نظر رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ طبقۂ عربیہ (Arabic Plate) کی شمالی حدود طوروس کے پہاڑوں تک وسیع ہیں اور بادیۂ شام کی شمالی حدود تک عرب زمانہ قبل از تاریخ سے آباد رہے ہیں جس کی ایک معروف مثال موجودہ ترکی کی حدود میں آنے والا شہر دیارِ بکر ہے، جو طوروس پہاڑ کے

دامن میں آباد ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث ہماری اسی کتاب کے باب' جزیرۃ العرب کے جغرافیائی کوائف' میں گزر چکی ہے۔

بہرکیف انباط چونکہ جزیرۃ العرب کی فرضی شمالی حد سے باہر آباد تھے اس لیے انہیں عجمی باور کرلیا گیا۔ حالانکہ قدیم عراق کے آثارِ قدیمہ سے جو کتبات ملے ہیں ان سے واضح ہوجاتا ہے کہ قدیم انباط کی زبان بھی اصلاً عربی ہی تھی۔ قدیم عمان (موجودہ اردن) اور قدیم بحرین (موجودہ عراق) میں آباد انباط کے بارے میں تو خود عربی لغت کے ماہرین تسلیم کرتے آئے ہیں کہ وہ عربی بولتے تھے۔ جیسا کہ محمد بن مکرم المصری نے ایوب بن القریہ کا قول نقل کیا ہے: اھل عُمان عَربٌ اسْتَنبطُوا و اھلُ البَحْرَیْن نبیط اسْتَعْرَبُوا (لسان العرب: ج7، ص411) ''عمان کے باشندے اصلاً عرب ہی ہیں، ہاں انہوں نے نبطی طرزِ زندگی اختیار کرلیا تھا اور بحرین کے باشندے اصلاً نبطی ہیں تاہم وہ بھی عرب بود و باش میں رچ بس گئے تھے۔''

مغربی مؤرخین انباط کو Nabateans کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مشہور یہودی مؤرخ جوزفس فلاویس یا یوسف بن متی تیاہو (100-37 عیسوی) نے اپنی کتاب Antiquities of the Jews میں صراحت کی ہے کہ انباط (Nabateans) درحقیقت نابت بن اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں، لہٰذا مغربی مؤرخین نے انباط کا شمار ہمیشہ عربوں میں کیا ہے۔

انباط کو عجمی سمجھنے کا ایک دوسرا سبب یہ ہے کہ انباط کا صحیح نسب عرب نسابین کے ہاں معروف نہ تھا۔ ہم پچھلے باب' شجرۂ مبارکہ' میں ذکر کرآئے ہیں کہ عدنان اور سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کے درمیان پیدا ہونے والی قرون (نسلوں) کے انساب میں ماہرین انساب کے ہاں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ عرب ان قرون کے انساب کما حقہ محفوظ نہیں رکھ سکے۔ چنانچہ وہ انباط کا نسب محفوظ رکھنے میں بھی ناکام رہے حالانکہ تاریخ اور آثارِ قدیمہ شاہد ہیں کہ انباط کے آباء واجداد تقریباً دو ہزار سالوں سے جزیرۃ العرب کے شمالی حصے میں آباد چلے آرہے ہیں۔ انباط کا اصل و نسب تاریخ کی گرد میں گم ہوگیا تھا۔ تاہم ہر قوم کے کچھ خواص ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے اس کی اصل کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ سیّد سلیمان ندویؒ (م 1373ھ) ان خواص کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

''ایک اور چیز جس سے کسی قدیم قوم کی جائے سکونت اور قومیّت کی نوعیت کی تحقیق میں بڑی مدد مل سکتی ہے، اشخاص تاریخی اور ان کے مقاماتِ سکونت کے ناموں کا یا دو قوموں کی زبان، اشخاص اور دیوتاؤں کے ناموں کا باہمی تطابق ہے۔
اشخاص و مقامات کے ناموں کا باہمی تطابق ان اشخاص کے مقاماتِ سکونت کا پتہ دیتا ہے، اور دو قوموں کی زبان اور ان کے باہمی اسماء کا تطابق ان کے اتحادِ قومیّت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔'' (تاریخ ارض القرآن، جلد اول، صفحہ 43)

سیّد سلیمان ندویؒ مزید فرماتے ہیں:

''ہر قوم کے ناموں کی ایک خاص نوعیت و ترکیب ہوتی ہے، جس میں اس کی قومیّت کا امتیاز مضمر ہوتا ہے۔ اقوامِ موجودہ میں ہندوؤں، مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ناموں کی اور پھر ان مذاہبِ مختلفہ میں سے مختلف ملکوں کے باشندوں کے ناموں کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے جس سے ان کی قومیت کا نشان ملتا ہے۔
اس بناء پر اگر دو قوموں کے ناموں میں باہمی تشابہ نظر آئے گا تو ہم نہایت آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ دونوں قومیں درحقیقت متحدالاصل ہیں۔ اسی طرح مذہبی اعتقادات کا تشابہ اور الفاظِ زبان کی مماثلت و مشاکلت بھی باہمی اقوام کے اتحادِ نسل کی ایک مبہم دلیل ہے۔'' (ایضاً، صفحہ 45)

انباط کی قدیم بستیوں کے آثار جزیرۃ العرب کے شمالی حصوں میں کثرت سے دریافت ہوئے ہیں۔ خصوصاً خلیج عقبہ کے مشرقی جانب وہ خطہ جو صحرائے سیناء سے ملا ہوا ہے، انباط کا معروف مسکن رہا ہے۔ بُصریٰ، رقیم (بطرا) اور مدائن ان کی مرکزی بستیاں تھیں۔ ان آثارِ قدیمہ سے ملنے والے حجری کتبات اور چرمی نوشتوں سے انباط کے مندرجہ ذیل خواص نمایاں ہو کر ابھرے ہیں:

1۔ انباط کی زبان عربی تھی اگرچہ اس کا رسم الخط آرامی زبان سے ملتا جلتا تھا۔
2۔ انباط کے نام حجاز کے باشندوں سے ملتے جلتے تھے، جیسے حارثہ، عبیدہ، مالک وغیرہ
3۔ انباط انہی بتوں کی پوجا کرتے تھے جن کی حجاز میں پوجا کی جاتی تھی، یعنی لات، منات، عزّیٰ، ذوالشعریٰ وغیرہ

انباط کے ان خواص سے آسانی سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انباط اور حجازی عربوں کی اصل ایک ہی ہے یعنی دونوں قومیں آلِ اسماعیل میں سے ہیں۔ عصرِ حاضر کے اکثر ماہرینِ انساب اور مؤرخین کی یہی رائے ہے۔ سیّد سلیمان ندویؒ کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ باب ''جغرافیہ عرب از تورات'' میں لکھتے ہیں:

''قبائل اسماعیلیہ کا دوسرا نام 'بنو ہاجرہ یا 'ہاجرین بھی تھا۔ اس نام سے بھی تورات میں ان کا ذکر آیا ہے۔ بنو اسماعیل یا بنو ہاجرہ میں سے دو قبیلے نامور ہوئے۔ نبایوت (نبطین) یا قیدار۔'' (تاریخ ارض القرآن، ص57)

موصوف آگے چل کر اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں فرماتے ہیں:

''نبط: نجد سے سواحل بحر احمر، عقبہ و بادیۂ شام تک کی حکومت مسیح (سے) دو تین سو برس پیشتر نبط بن اسماعیل کے اولاد کے ہاتھ میں تھی۔ نبط کی جمع انباط اور نبطین ہے۔''

معلوم ہوا کہ سیّد سلیمان ندویؒ بھی نبطین یعنی انباط کو نابت بن اسماعیل (نبایوت) کی اولاد میں شمار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جواد علی نے بھی اپنی معرکۃ الآرا کتاب 'المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام' میں انباط کو عرب قبیلہ تسلیم کیا ہے۔

اصحابِ کہف

قرآن حکیم میں اصحاب کہف کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے وارد ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ایک سورہ اسی نام سے موسوم ہے۔ سورۃ الکہف میں ارشاد ہے:

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَهۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ کَانُوۡا مِنۡ آیٰتِنَا عَجَبًاO (الکہف:9)

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ غار اور رقیم والے ہماری (قدرت کی) عجیب نشانی تھے''

اس آیت مبارکہ میں رقیم سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے تین اقوال زیادہ مشہور ہیں:

1۔ رقیم اس حجری کتبے کا نام ہے جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ تھے اور یہ کتبہ اس غار کے باہر نصب تھا۔

2۔ رقیم اس شہر کا نام تھا جس میں اصحاب کہف غار میں چھپنے سے پہلے، سکونت پذیر تھے۔

3۔ اس وادی کا نام ہے جس میں یہ غار واقع تھا۔

عمان (اردن) میں ایک قدیم شہر ایستادہ ہے جسے مغربی مؤرخین پیٹرا (Petra) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس شہر کی عمارات پہاڑوں کو تراش کر نہایت خوبصورت انداز میں تعمیر کی گئی ہیں۔ یہاں سے ملنے والے آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شہر کا اصل مقامی نام رقیم تھا۔ قدیم مؤرخ فلیویس جوزفس نے بھی لکھا ہے کہ پیٹرا کا اصل نام رقیم تھا۔ عرب کے اس شہر رقیم کا تذکرہ قدیم مصری کتبات اور بحر میّت سے ملنے والے قدیم نوشتوں میں بھی موجود ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ شہر انباط کا مرکزی شہر تھا۔ (Wikipedia:Petra)

رقیم کے باشندے (بشمول اصحاب کہف) اصلاً دین مسیح کے پیروکار تھے۔ جب رومی بادشاہ دقیوس (Decius) نے 249ء میں جنوبی روم کا اقتدار سنبھالا تو اس نے رقیم پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران اس نے دین مسیح کے پیروکاروں پر تشدد کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بہت سے مسیحیوں کو مار ڈالا۔ (Wikipedia:Decius)

امام ابن الاثیر الجزریؒ (م630ھ) نے اصحاب کہف کے زمانے میں حکومت کرنے والے بادشاہ کا نام دقیوس لکھا ہے۔ (الکامل فی التاریخ، ج1، ص274) دقیوس دراصل Decius کا معرب ہے۔ آذربائیجان کے نصرانی عالم ابن العبری نے عربی زبان میں تاریخ عالم کی ایک مختصر کتاب 'مختصر تاریخ الدول' لکھی ہے جو 1983ء میں لبنان سے طبع ہوئی ہے۔ ابن العبری لکھتا ہے:

(ذوقيوس قيصر) ملك سنة واحدة ولبُغضه فليويس قيصر المحسن الى النصارى عاداهم و شدد عليهم جدا، فكفر كثير من المؤمنين ..... و فى زمان ذوقيوس كان الفتية السبعة اصحاب الكهف الذين هربوا منه (مختصر تاریخ الدول، ص127)

''(ذوقیوس قیصر) نے ایک سال حکومت کی اور (اپنے پیش رو) فلیویس سے دشمنی کے سبب مسیحیوں کا دشمن بن گیا اور ان پر بہت تشدد کرنے لگا، کیونکہ فلیویس مسیحیوں سے نیک سلوک کرتا تھا۔ تب بہت سے مسیحی مومنوں نے اس کی اطاعت سے انکار کر دیا .....اور اسی ذوقیوس کے زمانہ میں سات نوجوان اٹھے، جنہیں غار والے کہا جاتا ہے، وہ اس سے متنفر ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

پیٹرا (رقیم) سے متعلق عصری تحقیقات، Decius کے بارے تاریخی حقائق، ابن العبری کے بیان، ابن الاثیرؒ کی روایت اور انباط کے بارے مذکورہ آثار کو جب قرآن کے بیانات سے ملاتے ہیں تو یہی تأثر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ اصحاب کہف بھی انباط تھے اور ان کا تعلق آل اسماعیل سے تھا۔ واللہ اعلم

المَناذِرہ خلیج العربی کے شمالی و مغربی ساحل کے ساتھ واقع ایک وسیع پٹی زمانہ قبل از اسلام میں البحرین کے نام سے مشہور تھی، جس کا دارالحکومت الحیرہ کہلاتا تھا۔ تقریباً تیسری صدی عیسوی میں یہاں عدنان کی اولاد میں سے عمرو بن عدی کی حکومت قائم ہوئی۔ یہ سلسلۂ بادشاہت رسول اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ تک چلتا رہا جب اس سلسلہ کے بادشاہ منذر بن ساویٰ نے رسول ﷺ کی دعوت پر مشرف بہ اسلام ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ اس سلسلہ کے بادشاہوں نے المنذر کا لقب اختیار کیا۔ جس کی وجہ سے اس سلسلۂ بادشاہت کو المناذرہ (واحد: المنذر) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ایک قول کے مطابق المناذِرہ آلِ اسماعیل کی بجائے بنوقحطان میں سے تھے، تاہم ان کا آلِ اسماعیل میں سے ہونے کا قول زیادہ قوی اور قابل اعتماد ہے۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف: ج1، ص53)

سورہ قٓ میں اصحابُ الایکہ (تبوک) اور اصحابُ الرس (یمامہ) کا تذکرہ اشارتاً کیا گیا ہے۔ اہلِ تحقیق کا ماننا یہ ہے کہ یہ لوگ آل اسماعیل میں سے تھے۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج۱، ص۳۴)

عدنان

آل اسماعیل کے گل سرسبد جناب عدنان کا شمار تاریخ عرب کے ان خاص مشاہیر میں ہوتا ہے، زمانہ جاہلیت کے عرب شعراء جن کی عظمت وسطوت کے گن گایا کرتے تھے۔ عدنان نہ صرف اپنی زندگی میں بہت بڑے قبیلے کے رئیس (سردار) تھے، بلکہ ان کی اولاد کو بھی دوام اور عروج حاصل ہوا۔ آلِ عدنان وسطِ عرب میں آباد تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت حجاز، نجد، عمان، بحرین اور تہامہ میں بسنے والے قبائل عموماً آلِ عدنان ہی میں سے تھے۔ عدنان کی شادی مَنھاد بنت لُہم سے ہوئی جس کے بطن سے اس کے دو بیٹے معدّ اور عکّ (الحارث) پیدا ہوئے۔

معدّ بن عدنان: معدّ بن عدنان کی شادی مُعانہ بنت جَوشَم سے ہوئی جس کے بطن سے

اس کے ہاں دو بیٹے نزار اور قُضاعہ پیدا ہوئے۔

نزار بن معدّ: نزار بن معد نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی خَبیّہ بنت عکّ کے بطن سے مُضر اور اِیاد پیدا ہوئے، جبکہ دوسری بیوی نے اس کے دو بیٹوں ربیعہ اور انمار کو جنم دیا۔

مُضر بن نزار: مُضر بن نزار کی شادی حَنفا بنت اِیاد سے ہوئی جس کے بطن سے اس کے دو بیٹے الیاس اور قیس عیلان (ناس) پیدا ہوئے۔

الیاس بن مُضر: الیاس بن مُضر کی شادی لیلیٰ بنت حُلوان سے ہوئی جس کا لقب خندف تھا۔ لیلیٰ نے الیاس کے تین بیٹوں مُدرِکہ (عامر)، طابخہ (عمرو) اور قَمعہ (عمیر) کو جنم دیا۔ ان تینوں کی اولاد ان کی ماں کی نسبت سے بنو خندف کے نام سے مشہور ہیں۔

مُدرکہ بن الیاس: مُدرکہ بن الیاس نے سلمیٰ بنت اسد سے شادی کی جس کے بطن سے اس کے دو بیٹے خُزیمہ اور ہُذَیل پیدا ہوئے۔

خُزیمہ بن مُدرکہ: خُزیمہ بن مُدرکہ نے بھی دو شادیاں کیں۔ ایک بیوی عَوانہ بنت قیس تھیں جن کے بطن سے نبی ﷺ کے جد امجد کنانہ پیدا ہوئے جب کہ ان کی دوسری بیوی برّۃ بنت مُرّ کے بطن سے اسد، اسدہ اور ہُون پیدا ہوئے۔

کنانہ بن خُزیمہ: کنانہ بن خُزیمہ نے برّہ بنت اُد سے شادی کی جس کے بطن سے نضر بن کنانہ پیدا ہوئے۔ کنانہ نے مزید دو نکاح کیے۔ ایک ہالہ بنت سوید سے کیا جس سے حدال، سعد، عوف اور مجربہ نے جنم لیا۔ جبکہ دوسرا فُکیہ بنت ھنی سے کیا جس کے بطن سے عبد مناۃ پیدا ہوئے۔

نضر بن کنانہ: نضر بن کنانہ نے عکرشہ بنت عدوان سے نکاح کیا جس سے ان کے تین بیٹے مالک، یخلد اور صلت پیدا ہوئے۔

مالک بن نضر: مالک بن نضر کی شادی جندلہ بنت حارث ابن جندل سے ہوئی جس کے بطن سے فہر یعنی القریش پیدا ہوئے۔

القریش:

تاریخ العرب میں جس شخص کے خانوادہ کو شہرتِ دوام اور بے نظیر عروج حاصل ہوا، وہ ہے فہر بن مالک، جس کا اصل نام قریش تھا، فہر اس کا لقب تھا۔ (فہر کا لغوی مطلب ہے پتھر، جس

پتھر سے بادام وغیرہ کوٹے جائیں اُسے فہر کہتے ہیں)۔بعض ماہرین انساب کہتے ہیں کہ اس کا اصل نام فہر اور قریش لقب تھا۔امام عبدالرحمٰن السہیلیؒ (م 581ھ) نے قریش کی وجہ تسمیہ کے بارے کئی اقوال نقل کیے ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ قریش ایک بڑی مچھلی کا نام ہے جو چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔کیونکہ قبیلہ قریش نے وسطِ عرب سے باقی سب قبائل کا خاتمہ کر دیا تھا اس لئے انہیں قریش کہا جاتا ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ چونکہ قریش تجارت پیشہ تھے اور مال جمع کرنے پر حریص تھے اس لئے انہیں قریش کہا جانے لگا۔امام ابن ہشام (م 213ھ) نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔(عبدالرحمٰن السہیلیؒ، الروض الانف مع سیرت ابن ہشام: ج1، ص210)

قریش کی اولاد قُرشی کہلائی۔سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی قبیلہ قریش سے تھے۔قریش یا فہر کی شادی لیلیٰ بنت حارث سے ہوئی جس کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے، جن کے نام یہ ہیں: غالب، محارب، حارث۔ان کی ایک بیٹی تھی جندلہ بنت فہر۔

غالب بن فہر: غالب بن فہر کی شادی عاتکہ بنت یخلد سے ہوئی جس کے بطن سے دو بیٹے لُوَیّ اور تیم پیدا ہوئے۔

لوی بن غالب: لُوَیّ بن غالب کی دو بیویاں تھیں: ماریہ بنت کعب اور بُسرہ بنت غالب۔ ماریہ کے بطن سے لوی کے تین بیٹے کعب، عامر اور سامہ پیدا ہوئے جبکہ بُسرہ کے بطن سے لوی کا ایک بیٹا سعد پیدا ہوا۔

کعب بن لوی: کعب بن لوی کی پہلی شادی وحشیہ بنت شیبان سے ہوئی جس کے بطن سے کعب کے دو بیٹوں نے جنم لیا، جن کے نام مُرّۃ اور ہُصیص تھے۔جب کہ کعب کی دوسری شادی حبیبہ بنت بجالہ سے ہوئی جس کے بطن سے عدی بن لوی پیدا ہوا۔

مُرّۃ بن کعب: مُرّۃ بن کعب کی دو شادیاں ہوئیں پہلی ہند بنت سریر سے اور دوسری بنت سعد البارقیہ سے۔ہند بنت سریر سے مرہ کے بیٹے کلاب پیدا ہوئے جبکہ دوسری بیوی بنت سعد البارقیہ سے دو بیٹے تیم (زُنیم) اور یقظہ پیدا ہوئے۔

کِلاب بن مُرّۃ: کِلاب بن مرہ کی شادی فاطمہ بنت سعد سے ہوئی، جس کے بطن سے کلاب کے دو بیٹے قُصَیّ اور زُہرہ پیدا ہوئے۔اس کے بطن سے کلاب کی ایک بیٹی نُعم بنت کلاب پیدا ہوئی۔

قُصَیّ بن کلاب: قصی بن کلاب قبیلہ قریش کا بطل عظیم ہے۔قصی بن کلاب کی شادی حُبَّـــی بنت حُلیل الخزاعی سے ہوئی۔جس کے بطن سے قصی کے چار بیٹے عبدمناف،عبدالدار، عبدالعزیٰ،عبداور دو بیٹیاں تَخْمُر اور بَرَّۃ پیدا ہوئیں۔غالب گمان یہ ہے کہ قصیّ بن کلاب سیّدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔(السیرۃ الحلبیہ،ج1،ص25)

قصیّ کی نوجوانی میں بیت اللہ کی تولیت حلیل بن الخزاعی کے پاس تھی اور وہی مکہ کا رئیس و حاکم تھا۔اُس نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ آئندہ ریاستِ مکہ اور تولیت کعبہ قُصَی بن کلاب کے ہاتھوں میں ہوگی کیونکہ وہ بنوخزاعہ سے زیادہ اہل وحق دار ہے۔بعد میں خزاعہ نے اپنے رئیس حُلیل کی وصیت کو ماننے سے انکار کردیا اور قصی کے ساتھ ریاستِ مکہ کے لیے جھگڑنے لگے۔ یہاں تک کہ قُصی کے حامیوں اور مخالفوں میں شدید جنگ ہوئی جس میں آخر فتح قصی کے نصیب میں لکھی تھی۔قصی بن کلاب نے منتشر قریش کو مکہ المکرّمہ میں جمع کیا اور ان کے لیے مستقل رہائش گاہیں تعمیر کرائیں۔اسی لیے قصی کو جامع القریش اور مُجمع القریش کہا جاتا ہے۔یوں صدیوں بعد ریاست مکہ اور تولیت کعبہ دوبارہ بنواسماعیل کو مل گئی۔(ایضاً،ج1،ص251)

قصی نے ریاستِ مکہ حاصل ہونے کے بعد ریاست کا انتظام وانصرام درست طریقے پر چلانے کے لئے متعدد اصلاحات کیں،جن میں سے بعض یہ ہیں:

دارُالنّدوَۃ: قصی بن کلاب نے مکہ المکرّمہ کے باشندوں کے مسائل حل کرنے کے لیے باہم مشاورت کی طرح ڈالی اور اس مشاورت کے لیے باقاعدہ ایک مکان مستقلاً بنادیا گیا جسے دارالندوۃ کا نام دیا گیا۔نِدوہ کا لغوی مطلب ہے مشورے کے لیے اجتماع۔یہاں عوامی مسائل زیر بحث لائے جاتے اور ان کا حل تلاش کیا جاتا۔مکہ کے ریاستی مسائل بھی یہیں حل کیے جاتے تھے۔

السِّقایۃ: سقایہ کا لغوی مطلب پانی پلانا ہے۔اس سے مراد ریاست مکہ کا وہ شعبہ ہے جو بیت اللہ کا حج کرنے والوں کو پانی پلانے کا انتظام کرتا تھا۔حاجیوں کو پانی میں شہد یا دودھ وغیرہ ملا کر پلایا جاتا تھا۔یقیناً یہ رفاہِ عامہ کا قابل قدر منصوبہ تھا۔

الرِّفادۃ: قصی بن کلاب نے حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنے کے لیے ایک مستقل فنڈ قائم کردیا تھا جس کا نام الرفادہ ہے۔تمام قریش اپنا مال اس فنڈ میں جمع کراتے اور اس سے

حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتے تھے۔ یہ بھی رفاہِ عامہ کی ایک عمدہ مثال تھی۔

اللِّواء: لواء کا لغوی مطلب ہے جھنڈا۔ قصی بن کلاب پہلا عرب ہے جس نے قومی شناخت کے لیے قومی پرچم متعارف کرایا جو عام طور پر صرف جنگوں کے دوران استعمال کیا جاتا تھا۔ جب قبیلہ قریش کسی دوسرے قبیلے کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلتا تو ایک جھنڈا جوانوں کے کسی گروہ کے سپرد کیا جاتا کہ اسے ہر حال میں بلند رہنا چاہیے۔ چناں چہ وہ جوان پامردی سے اس جھنڈے کی حفاظت کرتے تھے اور اسے سرنگوں ہونے سے بچاتے تھے۔

الحِجابة: بیت اللہ کی نگہداشت اور اس کے خزانے کی حفاظت کے لیے ایک شعبہ مخصوص کر دیا گیا تھا جسے الحجابہ کہا جاتا تھا۔ صاحب الحجابہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بیت اللہ میں داخل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس کے دروازے کی کنجیاں صاحب الحجابہ کے سپرد کی گئی تھیں، وہی ان کی حفاظت کرتا تھا۔ قصیؔ جب بہت بوڑھا ہوگیا تو اس نے ریاستِ مکہ کا انتظام وانصرام اپنے سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کے سپرد کر دیا، یوں دارالندوہ، رفادہ، سقایہ، حجابہ اور لواء کے محکمے بنو عبدالدار کو وراثتاً مل گئے۔ (ایضاً، ج1، ص262-267)

عبدمناف بن قصی: عبدمناف کا اصل نام مغیرہ تھا۔ اس کی خوبصورتی کے باعث اس کا لقب قمر البطحاء (یعنی وادیٔ مکہ کا چاند) پڑ گیا تھا۔ اس کی شادی عاتکہ بنت مرہ سے ہوئی جس کے بطن سے اس کے تین بیٹے ہاشم، عبدشمس اور مُطّلب پیدا ہوئے۔ جبکہ اس کی شادی بعد میں واقدہ بنت عامر المازنیہ سے ہوئی جس کے بطن سے اس کا بیٹا نوفل پیدا ہوا۔

ہاشم بن عبدمناف: ہاشم بن عبدمناف نے چھ شادیاں کیں جن سے ان کے چار بیٹے عبد المطّلب (شیبہ)، اسد، ابا صیفی، نصلہ اور پانچ بیٹیاں شفا، خالدہ، ضعیفہ، رقیہ اور حیہ پیدا ہوئیں۔

ہاشم کا اصل نام عمرو تھا، ان کا نام ہاشم اس لیے پڑا کہ انھوں نے حاجیوں کو شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر کھلائے تھے، جسے ثرید کہتے ہیں۔ چونکہ روٹی کے ٹکڑے کرنے کو ھشم کہتے ہیں اسی لیے ان کا نام ہاشم یعنی روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگو کر کھلانے والا پڑ گیا۔ ہاشم ہی وہ شخص ہے جس نے قریش کے لئے سال میں دو تجارتی سفروں کی داغ بیل ڈالی۔ ایک موسم سرما میں یمن اور حبشہ کی جانب اور دوسرا موسم گرما میں شام کی جانب۔ (معجم قبائل العرب، ج3، ص1207)

عبدالمطّلب بن ہاشم: عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو یثرب میں آباد قبیلہ خزرج کی شاخ بنونجار سے تعلق رکھتی تھیں۔عبدالمطلب کا اصل نام عامر تھا، جب پیدا ہوئے اس وقت ان کی چندیا میں چند سفید بال تھے۔اسی مناسبت سے ان کا لقب شیبہ (بوڑھا) مشہور ہوگیا۔تاہم ان کے نام عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب ان کے والد ہاشم کا انتقال ہوا تو یہ ابھی نوعمر تھے۔اپنی ماں کے ساتھ یثرب میں اپنے ننھیال (بنونجار) میں رہتے تھے۔ان کے چچا مُطّلب اپنے بھائی کی نشانی کے طور پر ان کی کفالت کی غرض سے انھیں اپنے ساتھ مکہ لے آئے۔جب یہ مکہ پہنچے تو لوگ سمجھے کہ مُطّلب کوئی غلام خرید لائے ہیں۔عربی میں غلام کو عبد کہتے ہیں چنانچہ لوگوں نے انھیں عبدالمُطّلب کہہ کر پکارا، بعد میں مکہ میں ان کا یہی نام مشہور ہوگیا۔

عبدالمطلب نے یکے بعد دیگرے چھ نکاح کیے، جن سے بارہ بیٹے حارث، زبیر، ابوطالب (عبدمناف)، عبدالکعبہ، عبداللہ، عبدالعزیٰ (ابولہب)، مغیرہ، حجل، حمزہ، ضرار، عباس اور مصعب (الغیداق) پیدا ہوئے، جبکہ چھ بیٹیاں اُمّ حکیم، بیضاء، اُمیمہ، اروٰی، برہ اور عاتکہ پیدا ہوئیں۔ (عدنان سے عبدالمطلب تک مذکورہ بالا شجرہ نسب کی تمام تفاصیل ابوعبداللہ مصعب بن عبداللہ الزبیریؒ (156-236ھ) کی کتاب نسب قریش سے لی گئی ہیں۔چند ایک ناموں کے اختلاف کے ساتھ یہ تفاصیل سیرت ابن ہشام میں بھی من وعن موجود ہیں۔)

اُمہات النبی ﷺ:

رسول اکرم ﷺ کے آباء اشراف کا تذکرہ باب 'شجرہ مبارکہ' میں اجمالاً اور زیرنظر باب میں تفصیلاً ہو چکا۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نسبِ اطہر بلحاظ اُمہات بیان کر دیا جائے۔رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی والدہ برّہ بنت عبدالعزیٰ، ان کی والدہ ام حبیب بنت اسد، ان کی والدہ برّہ بنت عوف، ان کی والدہ قلابہ بنت حارث، ان کی والدہ امیمہ بنت مالک، ان کی والدہ دبّہ بنت حارث اور ان کی والدہ بنت یربوع تھیں۔(ایضاً، ج1، ص235-236)۔

عدالت کا تاریخی فیصلہ
اوراس کے اثرات

محمد فہیم
تیمر گرہ ضلع دیر پائین

28 جولائی جمعۃ المبارک کا دن پاکستان کی ستر سالہ تاریخ میں ایک ایسا دن ہے جس کی ہماری قومی زندگی کی گزشتہ دورانیہ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس دن کا یہ عدالتی فیصلہ مستقبل میں ہماری قومی، سیاسی، عدالتی اداروں اور جمہوری کلچر پر دیرپا مثبت اثرات مرتب کرے گا۔ اس فقید المثال فیصلہ میں عدالت عالیہ کے مقرر کردہ بنچ کے جج صاحبان اوران کے مقرر کردہ جے آئی ٹی ممبران نے جس جانفشانی، انہماک، بے غرضی اور انصاف پر مبنی اور بے خوفی کے ساتھ کام کر کے اس ہمالیہ جیسے عظیم فریضہ کو منطقی انجام تک پہنچایا ہے یہ ہمارے عدالتی تاریخ میں ایک نہایت درخشاں باب کا اضافہ تصور کیا جائے گا۔ اس لینڈ مارک فیصلہ سے ایک بہت بڑے Statusquo کی اختتام پذیری کی راہ ہموار ہوجائے گی جس میں ہماری قومی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی سے متعلق تمام اداروں کو چند استحصالی مگر بہت مضبوط ہاتھوں نے یرغمال کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ ہماری سیاست کے اوپر چند مفاد پرست خاندان براجمان ہوکر عوام کو اپنے اقتدار کے لیے زینہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ عوام الناس جس کی اکثریت غربت، جہالت، بے روزگاری، محرومی اور استحصال کا شکار ہیں، انہی سیاستدانوں کے کھوکھلے نعروں پر گزشتہ سات دہائیوں سے تالیاں بجا کر زندہ باد کے نعرے لگاتے آرہے ہیں۔ انہی کے کندھوں پر سوار ہوکر ہمارے سیاسی بازی گر ایوانِ اقتدار میں پہنچ کر وہاں اسی قوم کا استحصال کر کے اس ملک کے وسائل

کو بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ لوٹ کر بیرونی دنیا میں آف شور کمپنیاں، محلات، کارخانے اور تجارتی ادارے بنا کر عیش اُڑا رہے ہیں۔

اس قوم کی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں پر سیاسی دنیا پر براجمان استحصالی ٹولہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں، سرداروں، چودھریوں، وڈھیروں، خوانین، پیروں اور کارخانہ داروں پر مشتمل ہے جو آپس میں بظاہر سیاسی طور پر مخالف مگر مفادات کے حوالہ سے ایک ہی طبقہ ہے یعنی استحصالی طبقہ۔ ان میں سے ہر مفاد پرست کی زبردست کوشش اور خواہش ہے کہ قومی اداروں کو نکیل ڈال کر ان کو اپنا تابع فرمان بنائے اور ان اداروں کے ذریعے ہی اپنے مفادات کا تحفظ اور اپنی غیر قانونی دولت کو محاسبہ کے دام میں آنے سے بچا سکے۔ اداروں کو کمزور کرنے اور شخصیات کی حیثیت کو بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے جو قومی مفاد کے لیے سم قاتل ہے۔ اس اندھیرے میں ہمارا عدلیہ وہ واحد ادارہ ہے جس کی طرف عوام کی نظریں لگی رہتی ہیں۔ چنانچہ پانامہ کیس کے اس تاریخی معاملہ میں دورانِ مقدمہ اسی مفاد پرست ٹولہ نے ہر قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جے آئی ٹی کی تحقیقاتی رپورٹ اور انکشافات کے منظر عام پر آنے کے بعد جس طرح برسر اقتدار طبقہ کے وزراء اور ان کے حواریں نے 'سازش' 'سازش' کا رٹ لگائے رکھا وہ بدگمانیاں پیدا کرنے کی بھونڈی کوشش ہی تھی۔ تحقیقاتی ٹیم نے حقائق منظر عام پر لا کر اپنے فریضہ کو جس خوش اسلوبی، جانفشانی، بے غرضی، بے خوفی اور پوری غیر جانداری کے ساتھ ادا کیا ہے وہ عوام الناس کی نظر میں ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جو انکشافات اس رپورٹ میں سامنے آگئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے حکمران اپنے ذاتی مگر ناجائز مفادات کی خاطر کس طرح ملکی مفادات کے خلاف کام کرتے آرہے ہیں۔ وزیراعظم کے جرائم ناقابل تردید ثبوتوں کے ساتھ سامنے آچکے ہیں اور انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق انھیں عدالتی فیصلہ کے مطابق نااہل گردانا گیا ہے اور اس مقدمہ میں دوسرے نامزد ملزمان (جو وزیراعظم کی اولاد، داماد اور ان کے قریبی رشتہ دار وزیر خزانہ) کے خلاف NAB کو تمام کیسز اوپن کر کے ان کے 6 ماہ کے اندر اندر فیصلہ کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس سے یہ نوید جان فزا سامنے آگیا ہے کہ عدالتی ادارے مضبوط اور مستحکم ہیں اور وہ ہر کسی کے خلاف انصاف کے تقاضوں کی روشنی میں اور قانون کے مطابق فیصلے کرنے کا عزم اور حوصلہ

رکھتے ہیں۔اس فیصلہ سے ظاہر ہے کہ عدالت عالیہ صرف قانون اور انصاف کی بنیادوں پر فیصلہ کرتی ہے اگر چہ اس راہ میں برسر اقتدار گروہ اور سیاسی مفادات کے علمبردار روڑے اٹکاتے رہے ہیں۔ یہ بات عدالتی کارروائی کے دوران ذاتی مفادات کے حامل وزراء کے ایک ٹولے کا عدالت عالیہ کے باہر روزانہ کی بنیاد سیاسی جلسے منعقد کرانے سے بالکل واضح ہو رہی تھی۔ برسر اقتدار گروہ اور وہ سیاستدان جو موروثی طور اپنی اپنی سیاسی پارٹیوں کے اوپر براجمان ہیں، انھوں نے دوران تفتیش اور عدالت عالیہ کا فیصلہ آنے کے بعد نہایت بھونڈے طریقہ سے عدالت عالیہ اور اس کے مقرر کردہ تفتیشی ٹیم جے آئی ٹی کے متعلق پروپیگنڈا کر کے بدگمانیاں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ان کے بیانیہ کا یہ حصہ مشترک دکھائی دیتا ہے کہ ''تحفظات کے باوجود ہم اس فیصلہ کو مانتے ہیں'' وہ اپنے مفادات کی وجہ سے فیصلہ ماننے کو تیار نہیں تاہم اس کو ماننے کے سوا ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔اسی مفاد پرست طبقہ نے بھی 'سازش' 'سازش' کی آواز میں اپنی آواز ملا کر حق نمک ادا کرنے کی کوشش کی۔

یہاں بعض سیاستدان جن کا حلقہ اثر صرف KPK تک ہی محدود ہے، کا رویہ بڑا عجیب سا لگتا ہے جب کبھی الیکشن مہم ہوتی ہے تو وہ 'پنجابیوں' کا 'پختونوں' کے حقوق غصب کرنے کی دہائی دے کر غریب عوام کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے واویلا کرتے ہیں لیکن جب یہی 'پنجابی' رہنما مرکز میں اقتدار میں آ کر تخت پر براجمان ہوتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہی سیاستدان حضرات جا کر ان کی گود میں بیٹھ کر مراعات حاصل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس عدالتی فیصلہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آئی ہے کہ ان شاء اللہ شخصیت پرستی کے دیوتا میں دراڑیں پڑ گئی ہیں اور ایک ایسے کلچر کے لیے راہ ہموار ہوتی نظر آ رہی ہے جس میں اشخاص نہیں بلکہ 'ادارے' توانا اور قابل توجہ بنتے نظر آ رہے ہیں اور یہ ایک مثبت اجتماعی سوچ ہے اور ان شاء اللہ اس سے سٹیٹس کو ختم ہو کر رہے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو موروثی سیاستدان اور ان کا باہمی مفادات کی خاطر اس اکٹھ میں دراڑیں پڑیں گی جس کے ذریعے وہ بظاہر مخالف بلکہ مفادات کے لحاظ سے باہم دیگر ایک ہی ہوتے ہیں اور جو مل کر پاکستانی عوام کے حقوق سلب کرنے اور قومی دولت لوٹنے کے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ پانامہ کیس کے اس

'لینڈ مارک' فیصلہ کے نتیجے میں اُمید کی جاسکتی ہے کہ سیاسی 'گاڈ فادرز' کے کرپشن کے آگے بند باندھا جاسکے گا اوران شاء اللہ ملک میں قانون کی حکمرانی کی بحالی ممکن ہو سکے گی۔قوم عدالت عالیہ کے جج حضرات اوران کی تفتیشی ٹیم کے زیر احسان ہے جنہوں نے انصاف اور قانون کے تقاضوں کے مطابق اس نہایت اہم کیس کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کے علاوہ کرپٹ لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کی راہ ہموار کی۔

یہ بات قابل تجسّس ہے کہ ایک اہم وزیر کے خلاف ایک معلوم کیس جو سرد خانے میں ڈال دیا جاچکا تھا،ازسرنو کھولنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔اس سے یہ امید ابھر آئی ہے کہ جن جن لوگوں نے بھی قومی دولت کو لوٹا ہے اوراس قوم کو دنیا کا مقروض ترین قوم بنائے رکھا ہے ان کے خلاف کارروائی شروع کی جائے گی۔اگر یہی لوٹی ہوئی دولت کسی بھی درجے میں واپس قومی خزانے کو لوٹا دی گئی تو اس سے نہ صرف ہماری قومی ضروریات پوری ہوں گی بلکہ ہمارا بیرونی قرضہ بھی اتارا جاسکے گا۔اس ضمن میں مدعیان مقدمہ یعنی عمران خان،سراج الحق صاحب اور شیخ رشید احمد صاحب بھی داد کے قابل ہیں جنہوں نے نہایت اعتماد اور استقامت کے ساتھ اس مقدمہ کو عدالت کے ذریعے منطقی انجام کو پہنچایا اوراس راہ میں تمام رکاوٹوں کے باوجود ثابت قدمی دکھائی۔اللہ کرے کہ پاکستان اپنے مصور حضرت علامہ اقبالؒ اور بانی حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے تصورات اور معیارات کے مطابق جلد از جلد اپنی منزلِ مقصود سے ہمکنار ہو۔

فیشن دیوتا کے چرنوں میں!

عافیہ مقبول جہانگیر

(بصد شکریہ اردو ڈائجسٹ، جولائی 2017ء)

آج کے دور میں فیشن کے نام پر چند چیتھڑوں کا بے تکا استعمال ''جدت پسندی'' کہلانے لگا ہے

کیمرے کی چکاچوند فلیش لائٹیں آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی ہیں۔ پورا ہال مع سٹیج بقعۂ نور بنا ہوا ہے پس پردہ چلتی ہیجان انگیز موسیقی حواس پر طاری ہے۔ ایک کے بعد ایک طرح دار حسینائیں رنگا رنگ ملبوسات زیب تن کیے، فخر و غرور سے گردنیں اکڑائے باری باری حاضرین کے سامنے جلوہ افروز ہو رہی ہیں۔ ایسا رومان پرور اور ہوشربا منظر دیکھنے کے لیے شہر بھر کے معززین اور مشہور شخصیات ایک چھت تلے جمع ہیں۔ نہ یہاں فرقوں کا جھگڑا، نہ مسلک کا۔ سب مکمل یکجہتی کا عالیشان مظاہرہ کرتے ہوئے باہمی اتفاق و سلوک کی عمدہ مثال اور 'ایک قوم ہیں ہم' کی زندہ تفسیر بنے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ حسیناؤں کو داد دینے کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے پیغام بھی دیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں پھر بھی انجان بنے ہوئے ہیں کیونکہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ کون کس کی پردہ پوشی کرے اور کون کس کے راز کھولے، اس سے کسی کو کچھ سروکار نہیں۔

یہ کون سا مقام ہے جہاں اس قدر ''اعلیٰ ظرفی'' اور یک جہتی کا مظاہرہ دیکھنے میں آ رہا ہے؟ یہ کوئی پیرس، لندن یا امریکہ نہیں؟ چلیے ہم بتائے دیتے ہیں۔ یہ ہمارے اپنے پیارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مشہور برانڈ کے بینر تلے ہونے والا ''فیشن شو'' ہے اور عوام کو ٹی وی پر براہِ راست بھی دکھایا جا رہا ہے۔ جدید تراش خراش کے ملبوسات، زیورات اور جسموں کی نمائش کا

بازارِ سرِعام، ڈنکے کی چوٹ پر گرم ہے۔ کون ہے جو اسے فحاشی اور بیہودگی کا نام دے کر اس کے خلاف آواز اٹھائے؟ کوئی نہیں کیونکہ یہ ''آج'' کا زمانہ ہے اور فیشن کے نام پر یہ سب کچھ کرنا کسی بھی ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملک کے لیے ضروری ہو چکا۔ اس کے بغیر تو ہم دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے سے قاصر رہیں گے اور ہم پر دقیانوسی، فرسودہ اور بوسیدہ قوم ہونے کا لیبل لگ جائے گا۔ ہمیں تو ترقی کرنا ہے، بھلے عزت نہ رہے۔ بدنام ہی سہی مگر نام تو ہو!

ایک طرف اگر کشمیر کی بیٹیاں، مائیں اور بہنیں اپنی عزتیں بچانے کے لیے آج بھی خود اپنے ہاتھوں موت کو گلے لگا رہی ہیں تو دوسری طرف برما، شام، فلسطین اور بوسنیا کی مسلمان خواتین یہودی یا عیسائی بننے کے بجائے اپنی اور اپنے بچوں کی جان، جانِ آفریں کے سپرد کرنے کو ترجیح دے رہی ہیں۔ وہ سڑکوں، فٹ پاتھوں پر بے گھر ہونے کے باوجود اپنی عزت و آبرو چادروں اور پردوں میں چھپا کر زندگی کے دکھ درد جھیل رہی ہیں مگر خود کو بے پردہ نہیں ہونے دیتیں۔ ایک ہم ہیں کہ شوقیہ، محض چند پیسوں اور سستی شہرت اور ترقی کے چور راستے تلاش کرنے کے لیے خود اپنی عزتیں نیلام کر رہے۔

ہماری خواتین اپنی مرضی اور خوشی سے خود کو نمائش کے لیے سجا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں یوں وہ اُن تمام عظیم مسلمان خواتین کا مذاق اڑاتی ہیں جنہوں نے ضرورت پڑنے پر اپنی زندگیاں تو داؤ پر لگا دیں مگر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے اپنی ذات کو بے پردہ نہیں ہونے دیا۔

وہ بین الاقوامی رپورٹر اور فوٹو گرافر جو ایک طرف کشمیر و فلسطین کی کوریج کرتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اس فیشن زدہ قوم کی رنگین شاموں کی، سوچتے تو ہوں گے کہ کیا ہم بھی مسلمان ہی ہیں؟ لیکن بعض پاکستانیوں پر تو غفلت کی نیند کا غلبہ ہے، اب وہ شاید روزِ قیامت ہی جاگیں۔ ابھی تو انہوں نے دنیا کو دکھانا ہے کہ ہم دقیانوسی اور ''جاہل'' قوم نہیں، ہم بھی جدید طرز زندگی اور اس کے لازم و ملزوم تمام ہتھیاروں سے لیس ہیں۔

اب بات صرف ''فیشن شوز'' تک محدود نہیں رہی، لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ اب یہ کلچر اور فیشن کے نام پر بیہودگی ٹی وی، فلموں اور مخصوص بدنام طبقوں اور علاقوں تک محدود نہیں رہی بلکہ پوری قوم کو بلاتفریق و امتیاز اپنی لپیٹ میں لے چکی۔ جس طرح کے ملبوسات ہم پہلے صرف پردۂ سکرین پر

یا پڑوسی ملک میں دیکھ کر توبہ توبہ کرتے تھے، اب وہی ملبوسات عوام وخواص کی زندگیوں کا حصہ بننے لگے ہیں۔ بازاروں، پارٹیوں، شادی بیاہ، یہاں تک کہ سکول کالجز اور دفاتر میں بھی ان بے تکے فیشن ایبل ملبوسات کا بے باکانہ اور آزادانہ استعمال ہو رہا ہے۔

روائش ہے کیا؟ اس کی تعریف و تاریخ کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے: ایسی پوشاک جو کسی خاص وقت میں کسی مخصوص موقع پر رائج ہوئی ہو۔ چونکہ، اس میں روزمرہ لباس سے ہٹ کر کچھ الگ نیا پن ہوتا ہے، اس لیے اسے جدید لباس کا نام دیا گیا جو بعد میں فیشن کے نام سے پہچانا جانے لگا، لیکن روائش اور فیشن کے معنی میں وقت کے ساتھ ساتھ زمین آسمان کا فرق آتا گیا۔ روائش میں قومی روایات، ثقافت، مذہب اور اخلاقیات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے جبکہ ''فیشن'' نامی یہ کیڑا ان تمام پابندیوں سے مادر پدر آزاد ہو چکا۔

عقل حیران و پریشان ہے۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں، کوئی حد مقرر نہیں، جس کا جو دل چاہتا ہے، اُلٹا سیدھا فیشن کے نام پر پہن کر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ کچھ ہی دن بعد وہی لباس جدید فیشن (LATEST TREND) کہلانے لگتا ہے۔ ایک دوسرے کی اندھی تقلید اور فیشن کا یہ بخار مرد و عورت پر یکساں چڑھ چکا۔ ایسی یک جہتی اور کسی معاملے میں ہو نہ ہو مگر فیشن کے معاملے میں تو جیسے پوری قوم متحد اور یکجان ہے۔

پہلے پہل فیشن کی اصطلاح صرف لباس تک محدود رہی پھر اس کی لپیٹ میں نہ صرف بال، جوتے، بیگز، میک اپ، آئے بلکہ مردوں کے لیے بھی نت نئی مصنوعات قدم جمانے لگیں۔ جی ہاں! عورتیں ہی نہیں اب مرد حضرات بھی اس موذی بیماری کا شکار ہو چکے۔ دل اور دکھی ہو گیا۔ پہلے تو مبہم سی امید باقی تھی کہ عورت بھٹکے گی تو مرد اُسے سمجھا بجھا کے صحیح غلط کا فرق بتا کے، کبھی پیار تو کبھی سختی کر کے اس کا محافظ بن کر گمراہی سے بچائے گا۔ قدم قدم پر اُس کی راہنمائی بھی کرے گا لیکن اب یہ امید بھی دم توڑتی نظر آتی ہے۔ جب مرد ہی بریسلیٹ، پھٹی پتلون، کٹی ہوئی قمیصیں، کانوں میں بالیاں، گلوں میں جھولت لاکٹ، اُونچی نیچی عجیب و غریب داڑھیاں، آدھا سر گنجا لیے گھومنے پھرنے لگیں، تو یہ خاک سنبھالیں گے صنفِ نازک کو!

ایک دفعہ بازار جانا ہوا تو سوچا عید پر بچیوں کے لیے چوڑیاں لے لوں۔ دوکاندار نے

پوچھا، باجی پیکٹ یا کپل والا؟ حیران ہوئی اور پوچھا، بھائی! یہ کپل پیکٹ کیا بلا ہے؟ مجھے جاہل سمجھتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے ایک پیکٹ نکالا جس میں ایک طرف چوڑیاں اور دوسری طرف انہی چوڑیوں سے میچ کرتا تھوڑا بڑا سائز کا کڑا بھی موجود تھا۔ کہنے لگا، یہ چوڑیوں کا سیٹ خواتین کا اور یہ اس کے ساتھ بالکل ہم رنگ کڑا اُن کے میاں کا۔ ایک جیسے پہنیں گے تو اچھا لگے نا۔ آج کل تو یہ ''فیشن'' ہے باجی آپ کو نہیں پتا؟ اور باجی اپنی کم علمی پر ماتم کرتی رہ گئی۔

گھر آ کر مجھے ایک حدیث یاد آتی رہی جس سے میں اور بھی مغموم ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی کو اُتار کر پھینک دیا اور پھر فرمایا: ''کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دوزخ کے انگارے کو حاصل کرے اور اس کو اپنے ہاتھ میں پہن لے''، پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو اس شخص سے کہا گیا کہ تم اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ (یعنی چاہو تو فروخت کر ڈالو اور چاہو تو کسی عورت کو دے دو) لیکن اس شخص نے کہا کہ نہیں! اللہ کی قسم، میں اس کو کبھی نہیں اٹھاؤں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہے۔ (رواہ مسلم)

اور ہم کس طرف جا رہے؟ مجھے یاد آیا کہ ہم تو وہ ہیں جو ایک ایسے شخص کی سوشل میڈیا پر تصاویر دیکھ کر حسرت سے ''ہوکے'' بھرتے ہیں جو سونے کے انباروں سے لدا پھندا رہتا ہے۔ جس کی وجہ شہرت سونے کے زیورات سے عشق ہے، وہ ہے تو پاکستانی مگر بیرون ملک رہائش پذیر ہے۔ جب بھی وہ پاکستان آئے ہمارا میڈیا اس کے آگے پیچھے پھرتا ہے کہ کسی طرح وہ انٹرویو کے لیے آمادہ ہو جائے۔ راہ چلتے لوگ اسے دیکھتے ہی کھٹا کھٹ اس کے ساتھ سیلفیاں لینا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے طلائی زیورات زیب تن کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ مگر ہم کم فہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کھلے عام منافی کرنے والے کے قدموں میں بچھے چلے جا رہے۔ تب کہاں جاتا ہے ہمارا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟

فیشن کے نام پر ایک اور نئی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ کسی کے مرنے پر تعزیت اور اظہار افسوس کا ماڈرن طریقہ چوکوں اور اہم مقامات پر مجمع کی صورت اکٹھے ہو کر موم بتیاں روشن کرنا بن

چکا۔ یہی نہیں، ہندو رسومات کے دلدادہ پاکستانی، بھارتی فلموں ڈراموں سے ہندوانہ رسم ورواج کھینچ تان کر کے اپنے گھروں میں لے آئے۔ اب ہمارے ڈراموں میں بھی اگر کسی کی موت کا سین دکھانا ہو تو تمام کرداروں کو سفید یا کالے کپڑے پہنے دکھایا جاتا ہے۔ ڈراموں کے علاوہ حقیقت میں بھی اگر دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ غیر محسوس انداز سے یہ رواج فروغ پاتا جارہا ہے کہ تعزیت کے لیے جانے والے اکثر لوگ سفید یا کالا لباس پہن کر جاتے ہیں۔ ایک ہی مخصوص رنگ کے لباس کو سوگ کی نیت سے اجتماعی طور پر پہننا غلط اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے اس سے بہت سختی سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں گئے تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ چادریں پھینک کر قمیصیں پہنے چل رہے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا جاہلیت کے کام کر رہے ہو۔ میں ارادہ کر چکا تھا کہ تمہارے لیے ایسی بددعا کروں کہ صورتیں مسخ ہو کر لوٹو''۔ کہتے ہیں کہ لوگوں نے چادریں لے لیں اور دوبارا ایسا نہ کیا (سنن ابن ماجہ، جلد اول، باب جنازوں کا بیان، حدیث 1485)

اب ذرا سوچیے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے نبی اکرم ﷺ جس رسم اور روایت کو جہالت کا نام دے کر منع فرما رہے ہیں، انہی رسومات کو ہم جدت پسندی سمجھ کر اپنا چکے۔ استغفر اللہ۔ یعنی جو چیز آپ ﷺ کے زمانے میں جاہلیت کی علامت تھی، وہ آج کے زمانے میں ہمیں جدید لگنے لگی۔ اسلام جو کہ ہر زمانے کے لیے ہے اور رہتی دنیا تک پرانا نہیں ہوگا، جس کی تعلیمات اور قرآنی علوم کو جدید سائنس اب دریافت کر رہی اور مان رہی ہے اُس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہمیں شرم آتی ہے کہ اور ہمیں اپنا آپ قدیم لگتا ہے۔

ملبوسات کی بات تو ایک طرف ہم نے ہر انداز میں جدت اور بے تکے فیشن کو اپنانا فرض عین سمجھ لیا ہے۔ بالوں کا سٹائل ہو یا دیگر لوازماتِ زندگی، بس جدت ہونی چاہیے، چاہے وہ کتنا ہی بے ڈھنگا اور بیہودہ کیوں نہ ہو۔ آج کل کٹنگ کے نام پر لڑکے طرح طرح کے نقش ونگار سر پر بنوا کر خود کو نہ جانے کس سیارے کی مخلوق ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

جب اسلام نیا نیا پھیلا تب بھی ہمارے حضور ﷺ باخبر تھے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا

جب لوگ بال عجیب وغریب انداز میں کٹوائیں گے۔ حالانکہ تب دور دور تک فیشن نامی بیماری کا شائبہ تک نہ تھا مگر آخری نبی الزمان ﷺ سب جانتے تھے۔ اسی لیے ایک حدیث شریف میں انہوں نے انتباہ کرتے ہوئے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ''قزع'' سے منع فرمایا۔ کسی نے پوچھا قزع کیا چیز ہے؟ کہا سر کے بعض حصے کو منڈوانا اور بعض کو چھوڑ دینا''۔ (بخاری 5921، مسلم 2120)

اسی طرح عورتوں میں اُونچا جوڑا پیچھے کی طرف یوں طرح باندھنا کہ سر کے پیچھے اونٹ جیسی کوہان بن جائے، اس سے بھی حضور ﷺ نے سختی سے منع فرمایا اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بھی واضح طور پر منع کیا۔ لیکن ہر پارٹی میں خواتین ایسے جوڑے مہنگے داموں پارلر سے بنواتی ہیں، چاہے وہ حجاب والی ہوں یا بغیر حجاب کے۔ خاص طور پر حجاب والی خواتین اس بات کی طرف قطعاً دھیان نہیں دیتیں۔ دلہن کو تیار کرنے میں ایسا جوڑا بنانا عام بات ہو چکی۔

ہم کھلے عام اسلامی تعلیمات کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہیں اور بڑے دھڑلے سے کرتے ہیں جن پر عمل کرنا نہ تو مشکل ہے نہ ہی ناممکن۔ لیکن ہم بدنصیب جان بوجھ کر خود کو جہنم کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

ساری ساری رات عبادت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن گناہوں کی معافی اللہ سے طلب کیا کرتے تھے جو شاید انہوں نے کیے بھی نہ ہوں لیکن اللہ کا ڈر وخوف اور آنحضور ﷺ سے محبت میں آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے، وہ اللہ سے رحم کے طلبگار رہتے تھے۔ اتنی پاکیزہ زندگی گزارنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جہنم کی آگ سے خوفزدہ رہتے تھے اور ہم، جو اپنے پیارے نبی ﷺ کی وہ اُمت ہیں، جس کی مغفرت کی فکر میں وہ ساری ساری رات روتے رہتے اور اللہ سے ہماری مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، وہی امت آج شوقیہ خود کو جہنم کا ایندھن بنانے پر تل چکی۔

ایک فیشن نت نئے ڈیزائین کے عبایا اور برقع کا بھی رواج پا چکا۔ ایسی خواتین نے کیا کبھی سوچا ہے کہ اللہ نے اگر پردے کے ذریعے خود کو چھپانے کا حکم دیا، تو آخر کس لیے؟ تاکہ وہ مردوں کی نظروں میں نہ آئیں اور غیر محرم ان کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔ لیکن جب یہی خواتین

چست، تنگ اور طرح طرح کے ڈیزائن دار عبایا پہنتی ہیں تو یقین کریں بے حجاب عورت سے زیادہ توجہ کی مرکز بن جاتی ہیں۔ عبایا کے کناروں پر گوٹے کناری، پھول بوٹے کا دلکش کام، بازوؤں پر گھنگھرو لگے ہوئے، یہاں تک کہ حجاب لیا ہوا لیکن چہرے میک اپ زدہ، اتنا کہ انسان دیکھنے پر مجبور ہو جائے۔ اب خود سوچیں کہ پردے کا اصل مقصد تو فوت ہو گیا اور مرد کی توجہ پھر بھی حاصل کر لی۔

عبایا یا برقع لے لینے سے پردے کا مقصد تو پورا نہیں ہو جاتا۔ عبایا اتنا کھلا ضرور ہونا چاہیے کہ اس میں عورت کی جسامت کا صحیح اندازہ نہ ہو پائے جبکہ آج کل کے نام نہاد فیشن ایبل عبایا اور برقعے قمیص کی طرح ہی چست اور ڈیزائن شدہ ہوتے ہیں۔ بعض خواتین اس طرح اپنے فیشن کے ''شوق'' کی تسکین کرتی ہیں کہ پردے کا حکم مان لیا اور اپنی خوشی بھی پوری کر لی۔ میری نظر میں یہ سراسر پردے کے حکم کا کھلا مذاق اور بے ادبی ہے۔ اس سے تو اچھا کہ وہ کھلے ڈُلے لباس کے ساتھ اپنے ڈوپٹے یا چادریں ہی ٹھیک سے اوڑھ لیا کریں تا کہ حجاب کے معنی کی بے حرمتی نہ ہو۔

میں نے خود ایسی خواتین دیکھی ہیں جو سر پر سکارف لے کر سمجھتی ہیں کہ بس اللہ کے حکم کی پیروی ہو گئی، سر پر سکارف اور ساتھ تنگ ٹائیٹس نما جدید جینز جسے فیشن کی زبان میں سگریٹ پینٹ کا نام دیا گیا ہے، کیا نوعمر اور کیا بڑی عمر کی خواتین، سب ہی عمر کے فرق کا لحاظ بالائے طاق رکھ کر اس میں ملبوس نظر آتی ہیں۔ ان کو بتانے والا، ٹوکنے والا کیا کوئی نہیں جو انہیں سمجھا اور بتا سکے کہ یہ کس قدر بے ہودہ لگتا ہے۔

لمبے چاکوں والی چھوٹی قمیص کے ساتھ ٹانگوں سے چپکی ہوئی ٹائٹس اور سر پر حجاب نما سکارف۔ سبحان اللہ۔ بس ہو گیا پردہ! میں حیران ہوں کہ جب یہ لڑکیاں گھروں سے نکلتی ہیں تو کیا گھر میں ایسا کوئی فرد نہیں جو ان کو منع کر سکے اور ایسے ملبوسات کا بائیکاٹ کر سکے۔ کیا ماؤں نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے؟ یا چونکہ انہیں خود بھی یہ سب پہننا اچھا لگتا ہے اس لیے وہ اپنی اولاد کو بھی نہیں ٹوکتیں۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ شاید یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ دوسرے رخ کو جاننے

کے لیے میں نے کچھ لڑکیوں سے گفتگو کی اور جاننا چاہا کہ وہ ایسا لباس کیوں پہنتی ہیں۔ پتہ چلا کہ سب ہی شوقیہ ایسا نہیں کرتیں۔ کچھ مجبوراً اپنا لباس ماڈرن اور اپ ٹو ڈیٹ رکھانا پڑتا ہے۔ یہ مجبوری مجھے پتا چلی ایک سپر سٹور پر سیلز گرل کا کام کرنے والی نوعمر لڑکی سے، جو انتہائی چست لباس، تنگ جینز اور چھوٹی سی ٹی شرٹ پر مشتمل ''یونیفارم'' پہن کر کاونٹر پر بے چارگی کی تصویر بنے خریداری کرنے والے گاہکوں میں مصروف تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ایسا لباس پہننا مجبوری ہے کیونکہ اسے ایسا ہی یونیفارم دیا گیا ہے۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگی ''یہ پاکستانی مسلمان معاشرہ ہے پھر بھی ہمیں ایسے بیہودہ لباس پر مشتمل وردی پہننے کو دی جاتی ہے۔ کیا یہ شلوار قمیص پر مبنی یونیفارم نہیں بنوایا جاسکتا؟ لیکن مالکان کی سوچ یہ ہے کہ اگر شریف لباس میں پردے والی لڑکی کو کاونٹر پر بٹھایا تو لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور یوں سٹور پر گاہکوں کا رش کیسے لگے گا؟ کون لڑکی چاہے گی کہ بھانت بھانت کے لوگوں کی نظریں اپنے وجود پر برداشت کرے لیکن مجبوری کرا دیتی ہے۔''

میں بوجھل دل لیے آ تو گئی لیکن اس سوال نے کئی دن میرے دل کو بے چین کیے رکھا کہ جب ملٹی نیشنل سٹورز اور فاسٹ فوڈ کی شاخیں ہمارے ملک میں کھولی جاتی ہیں تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہاں کام کرنے والی خواتین کو یونیفارم کے نام پر بیہودہ لباس ہی پہنایا جائے؟ جس ملک کی جو روایات اور ثقافت ہو، اسی کی مناسبت سے وہاں کی ملازم پیشہ خواتین کو یونیفارم بنوا دیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

میں ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کرنے والی ایک لڑکی سے ملی اور پوچھا کہ اتنے فیشن ایبل ملبوسات پہننے کی کیا وجہ ہے؟ تو اُس نے جو وجہ بتائی میں اسے بھی نہ جھٹلا سکی۔ اس نے تلخ لہجے میں بتایا: ''شروع میں میں یہاں سکارف اور مناسب لباس میں ہی آئی تھی مگر میرے حلیے کی وجہ سے مسترد کر دیا گیا۔ کمپنی مالکان کا خیال تھا کہ میرا حجاب اور سادہ لباس اُن کی فرم کے لیے شرمندگی کا باعث بنے گا اور نہ ہی میں اُن کے ساتھ چار لوگوں میں اٹھتی بیٹھتی اچھی لگوں گی۔ انہیں ایسی ماڈرن لڑکی چاہیے تھی جو بیرون ملک سے آئے وفود کے ساتھ بات چیت کرے اور کمپنی کی عزت شہرت پر اچھا اثر پڑے''۔ اس کا آخری جملہ یہ تھا ''پردے والی عورت کو مرد عزت تو دے

دیتے ہیں ملازمت نہیں‘‘۔اس سے زیادہ سننے کی مجھ میں تاب نہ تھی لہٰذا وہاں سے چل پڑی۔

ویسے تو مردوں کا کہنا ہے کہ عورت کو آزادی دی جانی چاہیے کہ وہ بھی اپنی زندگی میں کچھ بن جائے، آگے بڑھ سکے اور گھر کے مالی حالات میں معاون بن کر اپنی ذمہ داریاں نبھائے۔مگر مردوں کا ہی یہ معاشرہ باعزت طریقے سے نوکری کرنے کی خواہش رکھنے والی خواتین کو ملازمت دینے پر تیار نہیں ہوتا۔

مردوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کا زور صرف اس بات پر ہے کہ عورت خود کو پردے میں رکھے۔انہوں نے پردے سے متعلق تمام آیات واحادیث رٹی ہوئی ہیں مگر اسلام کا یہ حکم انہیں یاد نہیں کہ انہیں بھی اپنی نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔پردے کا حکم تو مرد پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ جیسے تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ویسے ہی اس فیشن نامی بلا کو بڑھاوا دینے میں کوئی ایک فریق نہیں بلکہ پورا معاشرہ، پوری قوم ہی ذمہ دار ہے۔کیا کوئی ایسا شعبہ نہیں، ایسی حکمت عملی یا پالیسی نہیں جو فیشن کے اس طوفان کو کنٹرول کر سکے؟ نہ ہی کوئی ایسا لائحۂ عمل یا قانون حکومتی سطح پر بنایا گیا ہے جو اس بڑھتی ہوئی وبا پر قابو پانے کے لیے کچھ حدود وقیود یا اصول وضوابط مرتب کر سکے۔

قرآن وسنت میں لباس سے متعلق واضح احکامات موجود ہیں۔مگر آج کی خصوصاً پاکستانی نوجوان نسل ان احکامات کو خاطر میں نہیں لاتی۔ایسا نہ ہو کہ اپنے مذہب، تہذیب وثقافت سے کٹ کر ہم ایسی قوم بن جائیں جو نہ دین کی ہوتی ہے نہ دنیا کی! قرآن وحدیث نے ہمیں جو راہ بتلائی، اس پر چلنے اور ماننے سے ہم گریزاں ہیں۔قوم کی تربیت کی ذمہ داری اٹھانے والا کوئی نہیں۔تو آخر ہمارا انجام کیا ہوگا اور آخر اس کی حد کہاں جا کر ختم ہوگی یہ کون طے کرے؟

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں گرفتاری

علامہ اقبال

71واں یومِ آزادی
معاشی دہشت گردی، بدمعاش لوگ اور احتسابی عمل

ابو فیصل محمد منظور انور

ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

پاکستانی قوم نے 14/اگست کو 71واں یومِ آزادی بڑے جوش وخروش سے منایا اور ملک بھر میں سرکاری اور عوامی سطح پر بڑے بڑے پروگرام منعقد کیے گئے۔ تاہم 27ویں رمضان المبارک کی مقدس رات میں آزاد ہونے والی مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کو ان 70 سالوں میں بابائے قوم محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبال کے تصورِ پاکستان اور امنگوں کی روشنی میں تعمیر نہیں کیا جاسکا۔ اس کے برعکس نااہل وخودغرض سیاسی ومقتدر عناصر نے اس ملک کو لوٹ مار کی چراگاہ بنادیا۔ ابتدائی دور سے ہی مہاجرین کی آبادکاری و بحالی، غلط کلیمز کے ذریعے جائیدادیں حاصل کرنے سے لے کر ترقیاتی منصوبوں، سرکاری زمینوں کی الاٹمنٹ، غیرملکی معاہدوں، حتیٰ کہ ملازمتیں بیچنے کا کاروبار ہر دورِ حکومت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تاریخ بدعنوان سیاسی شخصیات، جاگیرداروں، سرکاری افسران، صنعت کاروں اور قرضہ خوروں، بجلی و گیس چوروں سمیت دیگر بااثر لٹیروں کی لوٹ مار کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

سازشی عناصر نے ملک دولخت کردیا مگر اقتدار کی ہوس رکھنے والے عناصر نے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔ گزشتہ 70 سالوں میں ہر بااثر شخص نے ملکی خزانے کو شیرِ مادر سمجھ کر دل کھول کر

لوٹا ہے۔ ملکی وسائل لوٹنے والے اب تو کرپشن مافیا کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور مختلف طریقوں سے ملکی خزانے پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ غیر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات، احتساب نہ ہونے، اقتدار کی ہوس رکھنے والوں کی مصلحت کوش پالیسیوں اور احتسابی اداروں کے ذمہ داروں کی رشوت خوری کے باعث یہ لٹیرے صاف طور پر بچ نکلتے رہے اور پھر پہلے سے زیادہ دیدہ دلیری کے ساتھ لوٹتے چلے آ رہے ہیں۔ جمہوریت ہو یا آمریت تمام حکمران غریب عوام کو مستقبل کے جھوٹے سہانے سپنے دکھا کر، ان کے خون پسینے کی کمائی اور ملکی قدرتی وسائل کی لوٹ مار میں اپنے پیشرو حکمران سے بازی لے گئے اور اس بہتی گنگا میں خوب نہائے۔ کبھی میثاقِ جمہوریت کے نام پر کبھی ملکی بقا، تو کبھی این آر او کے نام پر یا پھر NAB حکام کو رشوت دے کر یا اس سے پلی بارگین کے ذریعے لوٹے ہوئے مال کا معمولی حصہ دے کر ملکی دولت کو لوٹا گیا۔ اکثر حکمرانوں نے ایک دوسرے کی کرپشن کو تحفظ دیا۔ منی لانڈرنگ کی گئی اور کھربوں روپے بیرون ممالک میں بھجوا کر کاروبار کیے گئے اور پھر جائیدادیں بنائی گئیں۔ بقول شخصے آزاد مملکت پاکستان ایک سونے کی میخوں سے جڑی کشتی کی مانند تھی جسے یار لوگوں نے اپنے پاؤں کے نیچے آنے والی ہر میخ کو اکھیڑ کر اپنی تجوری بھر لی اور نتیجے میں کشتی میں اتنے سوراخ ہو چکے ہیں کہ اب وہ معاشی لحاظ سے ڈوبنے کے قریب ہے۔ بڑے بڑے پروجیکٹس کے نام پر غیر ملکی قرضے لے کر نظام مملکت چلانے والے کمیشن کھاتے رہے اور اپنی ہر باری کو آخری باری سمجھ کر لوٹتے رہے ہیں اللہ کی پناہ (پی پی پی دور کے صرف ایک وزیر ڈاکٹر عاصم پر 479 ارب لوٹنے کا الزام ہے۔ شرجیل میمن ایسے بدعنوان شخص کو پانچ ارب لوٹنے پر سونے کا تاج پہنایا جاتا ہے) انھیں اور دیگر معاشی دہشت گردوں کو بچانے کے لئے نیب ایسے وفاقی قوانین کو ختم کر کے ربڑ سٹمپ صوبائی اسمبلی کے ذریعے من مرضی کا قانون بنایا گیا ہے تاکہ خود ہی مجرم خود ہی منصف بن کر قومی دولت لوٹنے کا گھناؤنا کھیل مزید کھیلا جا سکے۔ ایک ماڈل گرل ایان علی کے ذریعے اربوں کی منی لانڈرنگ کرنے والے مسٹر زرداری نہ جانے اور کیا کچھ کر گزریں گے۔ کرپشن کے نتیجے میں ملک کے 20 کروڑ بدقسمت عوام 70 ارب ڈالر سے زائد غیر ملکی قرضوں کے بوجھ تلے بری طرح دب گئی ہے۔ مگر ملکی سیاست پر قابض ان لٹیروں کی شاہ خرچیوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ملک کنگال ہو گیا ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ہر

ایک پاکستانی تقریباً ایک لاکھ روپوں سے زائد رقم کا مقروض ہے۔احتسابی ادارہ NAB نے کچھ عرصہ مختلف سیاسی و دیگر شخصیات کی اربوں روپوں کی لوٹ مار اور قرضے خوری کی تحقیقات کی اطلاعات نے عام پاکستانیوں کو خوش فہمی میں مبتلا کر رکھا مگر یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ لٹیرے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تاہم ایک بات بڑی خوش آئند ہے کہ اب ملکی خزانے کو لوٹنے والوں کا یوم حساب آچکا ہے ایک حساس ادارے نے پاکستان کی غریب عوام کو لوٹنے معاشی دہشت گردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا عندیہ ظاہر کیا تو ملک کی 20 کروڑ عوام نے اس کوشش کو سراہتے ہوئے اسے ایک قابل تحسین اقدام قرار دیا۔سندھ میں ڈاکٹر عاصم،عزیر بلوچ،شرجیل میمن اور مسٹر زرداری کے کئی ایک فرنٹ مین بلوچستان میں ایک صوبائی سیکرٹری کے خلاف کارروائی سے آغاز سے امید بندھی ہے کہ اب بدمعاش عناصر سے لوٹی ہوئی ملکی دولت واپس ہو جائے گی۔سوِس بینک میں جمع اربوں ڈالرز کے بے نام اکاؤنٹس اور پھر پانامہ لیکس نے تو شریف خاندان سمیت پاکستان کے 400 کے لگ بھگ لٹیروں کو بے نقاب کر دیا اس سکینڈل کو دبانے اور اسے سرد خانے میں لے جانے کی کوششیں ہوئیں تاہم ایک سال کی مسلسل ٹال مٹول کی کوششوں کے باوجود بالآخر صرف ایک مقتدر شریف خاندان کا کیس سپریم کورٹ نے (JIT) کے سپرد کر دیا اور بالآخر سپریم کورٹ کے پانچ معزز ججز نے نظریہ ضرورت کی روایت کو دفن کرتے ہوئے ایک دلیرانہ منصفانہ تاریخ ساز فیصلہ دے کر گزشتہ تین عشروں سے زائد عرصہ تک سیاست اور سرکاری اداروں پر قابض پاکستانی وزیراعظم نواز شریف کو عمر بھر کے لیے نااہل قرار دے کر پاکستانی سیاست سے مستقل طور پر فارغ کر کے اقتدار کے اعلیٰ ایوان سے نکال باہر کیا ہے اور اس کے خلاف نیب میں ریفرنس دائر کر کے تحقیقات کا آغاز کر دیا ہے۔

آئین پاکستان کی دفعہ 62,63 اور دیگر دفعات کی خلاف ورزی پر نکالے گئے نااہل سابق وزیراعظم نواز شریف نے اقتدار سے محرومی کے بعد بدحواسی کے عالم میں عدلیہ اور دیگر حساس اداروں کے خلاف محاذ آرائی اور کردار کشی کی باقاعدہ ناکام تحریک شروع کر دی ہے۔تاہم عوام کی اکثریت میں اسے پذیرائی حاصل ہونے کی امید نظر نہیں آرہی ہے عوام کی اکثریت اس عدالتی فیصلے پر شاداں ہے پاکستانی عوام پُرامید ہے کہ لوٹا ہوا قومی خزانہ واپس آئے گا کرپٹ

عناصر بے نقاب ہوکر جیل یاترا کریں گے اس طرح چوروں اور لٹیروں سے ملکی دولت واپس لینے کا آغاز ہو جائے گا۔ معاشی دہشت گردوں کو نشانِ عبرت بنانے کے بعد زرداری سمیت دیگر بڑے مگرمچھوں کے بعد چھوٹی بڑی مچھلیوں کی باری بھی آئے گی اور کرپشن کا مال واپس آئے گا۔ اللہ کرے یہ مہم کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔ قومی خزانے کو ہڑپ کرنے والوں سے لوٹا ہوا ملکی سرمایہ واپس لئے بغیر ملک کی تقدیر نہیں بدل سکتی۔ کچھ عرصہ سے احتسابی عمل صرف سندھ تک محدود اور سست روی کا شکار نظر آ رہا ہے اسے تیز تر کرنے اور ملک کے دوسرے صوبوں تک پہنچانے کا عوامی مطالبہ پورا کیا جائے۔ کرپشن کنگ سیاسی قبضہ مافیا کی شکل اختیار کر چکا ہے اور سازشوں کے ذریعے احتسابی عمل رکوانے کے لئے کوشاں ہیں۔ احتسابی عمل کی تکمیل 'ابھی نہیں تو کبھی نہیں'۔ اس لئے اسے جلد از جلد منطقی انجام تک پہنچانے کی ضرورت ہے تاکہ سات عشروں سے بدعنوانی کے تھپیڑوں سے دوچار اسلامی جمہوریہ پاکستان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو کر اقوام عالم میں اپنا مقام حاصل کر سکے۔

؎ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، وہ راز اب آشکار ہوگا

مسائل میراث اور
ہمارے اُجڑتے خاندان
(حصہ دوم)

حافظ مختار احمد گوندل

عدالت سے پیشی بھگت کر آنے والے مجرم کو دروازۂ عدالت پر گولیوں سے بھون دیا گیا۔ فاضل جج حیرت میں گم وکیل سے مخاطب ہوا کہ جس قاتل کو پھانسی پہ لٹکنا تھا اب اس کی جگہ مدعیان میں سے گولیاں چلانے والے لوگ پھانسی پر لٹکائے جائیں گے۔ وکیل نے کہا: جناب! دراصل یہ آپ کے نظامِ انصاف پر عدمِ اعتماد ہے۔ اگر قاتل کی پھانسی کا انہیں یقین ہوتا تو یہ حادثہ رونما نہ ہوتا۔

ہمارے معاشرہ میں باہمی تنازعات حل کرنے کے مروّج کثیر الجہات اسالیب ہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ انہی میں سے ایک حل ہے۔ لیکن راقم السطور کے نزدیک اس کا حقیقی پس منظر عوام میں حقوق وفرائض کے تصورات سے عاری ہونا بھی ہے اور اس حوالے سے ان کا شعور اجاگر نہ کرنے میں ہماری اور زعمائے ملت سب کی کوتاہیوں کا عمل دخل بھی ہے۔ اگر معاشرہ میں ہر شخص کو انصاف اور مساویانہ حقوق حاصل ہوں اور حقوق وفرائض کی ادائیگی کے احساسات وتصورات پختہ ہوں تبھی ایک پُر امن فلاحی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ بنی آدم میں پہلا قتل بھی تو دراصل حقوق کی جنگ ہی کی بنا پر ہوا تھا، جو آج تک جاری ہے۔ اگر احکامِ الٰہی یا ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری ہوتی تو نوعِ انسان میں پہلا قتل نہ ہوتا۔

حق (RIGHT) جمع حُقُوق، لغوی اعتبار سے عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم نکرہ ہے اور گاہے بطور صفت بھی مستعمل ہے۔ صاحب شرح المنار تحریر کرتے ہیں:

الحقّ هو الشیء الموجود من کل وجه ولاریب فی وجوده

(شرح المنار وحاشیہ من علم اصول الفقہ :ص886)

اردو زبان میں بھی بطور اسم اور صفت استعمال ہوتا ہے۔

عربی زبان کا لفظ 'حق' قرآن کریم میں 247 مرتبہ آیا ہے جس کے متعدد معانی اور 12 وجوہ ہیں۔

اللہ: جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔

باطل کی ضد: مشہور لغت کے امام خلیل ابن احمدؒ (م170ھ) لکھتے ہیں: الحقُّ نقیض الباطل

''حق باطل کی ضد ہے''۔ (خلیل، ابوعبدالرحمٰن، کتاب العین، مکتبہ الہلال، ۶/۳)

اسی طرح ایک اور مشہور لغت کے ماہر ابن منظور افریقی (م۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

الحَقُّ: نَقِيضُ البَاطِل ''حق باطل کی ضد ہے۔ اور اس کی جمع حقوق اور حقاق آتی ہے۔ اور حَقَّ الامر کا معنی صحیح ہونا اور ثابت ہونا ہے۔'' (ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب)

چونکہ حق اور باطل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْن (42:2)

''اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔''

برحق (CLAIM): وَلِلْمُطَلَّقٰت مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (241:2)

قرآن، اسلام، عدل (JUSTICE)، توحید، کسی کام کو جیسا چاہیے ویسا کرنے کا عمل، حصہ، صدق (FACT) سچائی کا ثبوت اور باطل کا جھوٹ واضح کرنے کے لیے فرمایا:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (الانفال:۸)

''تاکہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کردے جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گناہ گار''۔

اصطلاحی طور پر اس کا استعمال کسی موضوع کے مواد کا باریک بینی سے مطالعہ و جستجو، حقائق کا تعین اور تنقیدی مشاہدہ وغیرہ بھی ہے۔

فرض (obligation)، ذمہ داری (زیادہ تر کسی کے احسانات کی وجہ سے اس کی نسبت):

مَا عَبَدْنَا كَ حَقَّ عِبَادَتِكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

صِلہ،عوض،اجرت،انعام،استحقاق(Entitlement)،اختیار،واجب اگر باب(نصر) سے ہو وغیرہ۔جیسے راہ حق،دعوت الی الحق وغیرہ۔

اقسام کے اعتبار سے حق کی دو بڑی قسمیں ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد

حقوق اللہ: وہ حقوق جو اللہ کے اپنے بندوں پر ہیں۔

خالص عبادات (بدنی و مالی) مثلاً ایمان،عشر،وغیرہ خالص عقوبات،عقوبات قاصرہ مثلاً محرومی وراثت،خراج وغیرہ،کفارات،صدقات مثلاً زکوۃ،خمس وغیرہ۔

حقوق العباد: معاملات ومعاہدات،حاجات وضروریات،وغیرہ

انفرادی حقوق(مدنی) اجتماعی حقوق(معاشرتی)

انسان تو کجا بلکہ حیوانات اور جمادات کے بھی حقوق ہیں یعنی دنیا میں مخلوقات کا ایسا باہمی ربط ہے کہ جس سے باہمی نفع رسانی ایسی ذمہ داری ہے دوسرے لفظوں میں جسے حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ماہرین قانون کے نزدیک ایسا استحقاق،تحفظ یا رواج جسے دستور،قانون یا عدالتی فیصلوں کے تحت تسلیم کیا گیا ہو۔انسان کے بنیادی حقوق وہ ہیں جو مذہب وملت،رنگ و نسل،علاقہ وزبان سے ماوریٰ بلاتخصیص ہر مرد وزن جوان اور بچوں تک سب کو حاصل ہیں یہاں تک کہ بعد از مرگ بھی میّت کے حقوق تسلیم کیے گئے ہیں۔

انسان کے بنیادی اور فطری حقوق کے تحت جن جن امور کو شامل کیا جاتا ہے ان میں انسانی مساوات،انسانی عزت وآبرو کی حفاظت،انسانی جان ومال اور جائداد کی حفاظت،مذہبی آزادی کا حق،آزادئ ضمیر کا حق،ضروریاتِ زندگی کے انتظام کا حق،بچوں کے حقوق کی حفاظت، اسی طرح انسانوں کے معاشی وثقافتی اور تعلیمی حقوق نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ہر دور میں حیات انسانی کے بدلتے ہوئے سماجی معاشی اور سیاسی ڈھانچے کی وجہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسے بنیادی اصول اور نظریات وضع کیے جائیں تاکہ اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے والے رہنمانہ تو اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے عوام کے حقوق پامال کریں اور نہ ہی عوام ایک دوسرے کے حقوق کا استحصال کریں۔

انسانوں کے حقوق وہ حقیقی مصالح ہیں جن کا خدائے علیم نے احکامِ شریعت نازل کرتے وقت پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اور حقوق انسانی کے تحفظ کا واحد ذریعہ احکامِ شریعت ہی تو ہیں۔ ان حقوق کی شناخت اور تعین کا واحد اور معتبر ذریعہ وحی الٰہی ہے، جنہیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتاب اللہ یا اپنی سنت کی شکل میں نوعِ انسان کو عطا فرمایا۔ پس انسانوں کے حقوق وحی الٰہی کی روشنی میں عقلی دلائل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مغرب میں تحریک تنویر ہو یا دیگر عقلیت پسند طبقات جب تک وحی الٰہی کو حقوق کا مآخذ تسلیم نہیں کریں گے عقدہ کشائی نہیں ہوگی، اسی وجہ سے کئی صدیوں کے سفر میں حیات انسانی کے ان گھمبیر مسائل کا حل تلاش کرنا ممکن نہیں ہوسکا۔

اسلام نے انسانی حقوق خصوصاً حق وراثت کا جو جامع دستور نوعِ انسان کو دیا ہے، معاشی مساوات کا بہترین عملی نمونہ ہے۔ اسلام کے سورج کی کرنیں سماجی و اقتصادی اعتبار سے حقوقی مساوات کی روشنی لے کر نمودار ہوئیں، اہل اسلام نے چودہ صدیاں قبل عملی طور پر دنیا کو ان حقوق سے آشنا کیا جن کا تصور بھی دوسری اقوام میں نہیں تھا۔ ان میں خاص طور پر ملکیت و میراثِ نسواں کا حق تو سرفہرست ہے جو اقوام عالم میں مفقود تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد وعورت کو لباس کہہ کر قرآن میں اس کی مزید وضاحت فرمائی: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (187:2)
''تمہاری عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس''

اگر مرد وعورت کی معاشی، معاشرتی اور دیگر ذمہ داریوں پر نظر ڈالیں تو یہ واضح ہے کہ اسلامی قانونِ وراثت کی بنیاد فقر و احتیاج نہیں، یعنی ورثاء میں جو جتنا ضرورت مند ہو، وراثت میں اسے اتنا ہی مل جائے ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد 'الاقرب فالاقرب' پر ہے۔ شریعت میں قریب ترین رشتہ داروں ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام کو مستحقینِ وراثت قرار دیا گیا ہے، جن کی عدمِ موجودگی میں ریاست وارث قرار پاتی ہے۔ وراثت کی یہ تقسیم عین عدل اور فطری انصاف ہے جو عقلاء کی تمام تر ذہنی صلاحیتوں سے بھی وضع نہ ہو پائے۔ وحی الٰہی اور اسلام کی بے شمار خوبیوں میں یہ خصوصیت نمایاں ہے کہ اس نے نوع انساں کو بہترین اقتصادی اور تقسیم میراث کا وہ بے مثل نظام عطا فرمایا جس میں مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی میراث کا حقدار بنایا گیا۔ میراث کی اس تقسیم میں قرابت یا نسب یعنی مورث کے عزیز و اقارب اصول (آباء و اجداد)،

فروع (اولاد)، حواشی و جوانب (بہن، بھائی، چچا وغیرہ) یا پھر نکاحِ صحیح کی صورت میں زوج اور زوجہ شامل ہیں جن میں دنیا چھوڑ کر جانے والوں کا ترکہ تقسیم ہوا کرتا ہے۔

تقسیمِ وراثت کا بنیادی فلسفہ:

1۔ قرابتی حقوق کی ادائیگی

2۔ اختیارات و ذمہ داریوں کا باہمی ربط (Authority with Responsibility)

3۔ ارتکازِ دولت کی انسدادی تدابیر

تقسیم وراثت دراصل دولت کے ارتکاز کو روکنے کا ایک اہم اور مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ دنیا میں اس نظام کی بدولت کسی اور معاشی انقلاب کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی جواز، تاریخ میں اشتمالیت و اشتراکیت اور اب سرمادایت کے تجربوں سے نوع انساں گزر رہی ہے۔ لیکن اقتصادی مساوات کا خواب اسی نظام کی بدولت ہی شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ جیسا کہ ''محاضراتِ معیشت وتجارت'' کے صفحہ 143 پر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''سب سے بڑھ کر اسلام کا قانونِ وراثت فوری طور پر اگر مؤثر انداز میں نافذ کر دیا جائے تو چند نسلوں کے بعد ہی یہ ارتکاز اراضی ختم ہوسکتا ہے۔ یوں تو نظری طور پر ہمارے ملک میں اسلام کا قانونِ وراثت نافذ ہے۔ لیکن اگر ریاست اس بات کو یقینی بنائے کو جو بڑی بڑی جائیدادیں ہیں، دولت کے بڑے بڑے وسائل ہیں .....اصل مالکان کے مرنے کے بعد ان کے ورثاء میں قطعی اور یقینی طور پر تقسیم ہو جائیں تو اس کے نتیجے میں دولت کا ارتکاز بہت تیزی کے ساتھ ختم ہوسکتا ہے۔''

انسان کتنا ہی سرمایہ دار یا دولت مند ہو اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس کی وراثت اس کے ورثاء میں اس طرح تقسیم ہوتی ہے کہ جس سے ہر وارث شرعاً و قانوناً اپنے نسبتی حصہ کا مالک وحقدار قرار پاتا ہے اور یہ انتقالِ ملکیت اَز خود عمل میں آجاتا ہے۔ خواہ کسی کو اس وراثت میں حصہ موصول ہو یا نہ ہو۔ یہ الگ معاملہ ہے۔ ہمارے خاندانوں میں اگر کوئی تقسیم وراثت کا نام لے بیٹھے تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ رشتے منقطع اور مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ حالانکہ تعلیماتِ نبوی ﷺ یہ ہیں کہ میّت کی جیب سے ایک الائچی بھی نکلے تو

اس میں بھی تمام ورثاء حصہ دار ہوں گے اور یہ بھی روا نہیں کہ کوئی وارث اسے اکیلا استعمال کرے۔ یہ جانے والے کی دولت پر ڈاکہ کے مترادف ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا

''جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ یہ حصے (خدا کے) مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیماری کے ایام میں ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال بہت ہے اور میری صرف ایک لڑکی ہے تو اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ انہوں نے کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا خیر لیکن ہے یہ بھی زیادہ ہے، تو اگر اپنے بعد اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں نادار چھوڑ کر مرے اور وہ دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں۔ (متفق علیہ)

حضور اکرم ﷺ کی شفائیہ دعا کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تقریباً پچاس سال زندہ رہے اور انہوں نے عظیم الشان کارنامے انجام دیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہی کوفہ شہر بسایا جو بعد میں علم و عمل کا گہوارہ بنا۔ آپؓ ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا۔

فرمانِ نبوی کے مطابق ایک تہائی سے زیادہ جائیداد کی وصیت کرنا، یا کسی وارث کو اپنی جائیداد سے محروم کرنے کے لئے وصیت کرنا وغیرہ اس نوعیت کی وصیت نافذ العمل نہیں ہوا کرتی۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنے حقیقی وارثوں کو مالِ وراثت سے محروم کرنے کی غرض سے وصیت کر کے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر یہیں سے وہ لاتعداد مسائل جنم لیتے ہیں جن سے نسل در نسل آلام و مصائب کا شکار ہو جایا کرتی ہے۔

وصیت اور مسائل میراث

اپنی زندگی میں انسان اولاد کی تعلیم، اس کے مکان کی تعمیر وغیرہ پر کم یا زیادہ رقم خرچ

کرتا ہے، اسی طرح عام زندگی میں اولاد کے درمیان جائداد کی تقسیم کچھ کم یا زیادہ بھی کرسکتا ہے، تاہم حتی الامکان اولاد کے مصارف اور جائداد دینے میں عادلانہ رویہ اپنائے۔ زندگی میں وصیت یا وراثت کا قانون نافذ نہیں ہوتا۔ اولاد اور دیگر رشتہ داروں کو دی جانے والی رقم یا جائداد ہبہ کہلاتی ہے۔ باپ اپنی اولاد کو اپنی طرف سے مخصوص رقم یا جائداد کا کچھ حصہ دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے۔ لیکن ایسی تقسیم جو بعد میں ورثاء میں نزاع نہ پیدا کرے۔ سیّدنا ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے آخری ایام میں ہبہ واپس لے کر تمام اولاد میں مساوی تقسیم کی وصیت فرمائی تھی۔

اُمّ المومنین حضرت جویریہ بنت حارث ؓ کے بھائی حضرت عمرو بن حارث ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت سوائے اپنے سفید خچر، اپنے ہتھیار اور اپنی زمین کے جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا، نہ کوئی درہم چھوڑا تھا نہ دینار، نہ غلام نہ باندی اور نہ کوئی اور چیز۔ (بخاری کتاب الوصایا) آپ ﷺ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا، اسی وجہ سے ترکہ کے تعلق سے آپ ﷺ کی کوئی وصیت موجود نہیں۔

قرض کو وصیت پر مقدم رکھنا

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قرض وصیت سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا ہے، (یعنی انسان کے ترکہ میں سے تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے قرض کی ادائیگی کی جائے گی، پھر وصیت نافذ ہوگی) جب کہ تم لوگ قرآن کریم میں وصیت کو پہلے اور قرض کو بعد میں پڑھتے ہو۔ (ترمذی)

مذکورہ بالا و دیگر احادیث کی روشنی میں پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے۔

شرعاً وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی، لیکن اگر کسی شخص نے ورثاء میں سے کسی وارث کو وصیت کر دی اور تمام ورثاء میّت کے انتقال کے بعد اس کی وصیت پر عمل کرنے کی اجازت دیں تو وہ وصیت نافذ العمل ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کر دی اور تمام ورثاء میت کے انتقال کے بعد اس کی وصیت پر عمل کرنے کی اجازت دیں تو وہ وصیت بھی نافذ العمل ہوگی۔ تحریری وصیت نامہ میں مورث اپنی زندگی میں تبدیلی بھی کرسکتا ہے۔

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت یہ ارشاد فرمائی: نماز، نماز۔ اور اپنے غلاموں (اور ماتحت لوگوں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو، یعنی ان کے حقوق ادا کرو۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے پورے لفظ نہیں نکل رہے تھے۔ (مسند احمد)

کتاب وسنت میں قانونِ وراثت سے منہ پھیرنے والوں کو تنبیہ کی گئی:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُo وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌo
(النساء4:13۔14)

''یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے گا اللہ ایسے لوگوں کو بہشت میں داخل کرے گا جس میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقررہ حدوں سے تجاوز کرے گا اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔''

نیز فرمایا:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا o
(الاحزاب33:36)

''اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا یاد رکھو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا''۔

اور فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ

اَلِیۡمٌ O (النور 24:63)

''جولوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔''

جہیز اور تقسیم وراثت

جہیز (Dowry) عربی زبان کا لفظ ہے جو اس سامان کے لیے بولا جاتا ہے جو لڑکی کو شادی میں اس کے ماں باپ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ خواہ بیٹی کے سسرال کے مطالبہ پر ہو یا بلامطالبہ۔ یہ قدیم رسم ہر ملک اور ہر علاقے میں مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس میں عام طور پر زیورات، کپڑوں، نقدی اور روزمرہ استعمال کے برتن شامل ہوتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں یہ رسم ہندو اثرات کا نتیجہ ہے۔ چونکہ ہندو مذہب میں عورت کو جہیز تو دیا جاتا ہے وراثت نہیں۔ اسلام میں جہیز کا کوئی تصور نہیں۔ اسلام سادگی کا دین ہے اور اسلام کی نظر میں عورت کا بہترین جہیز اس کی بہترین تعلیم و تربیت ہے۔

محترم خالد سیف اللہ رحمانی جہیز و تلک کی رسم کے متعلق رقم طراز ہیں:

''اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک معاہدہ کی ہے جس میں مرد و عورت قریب قریب مساویانہ حیثیت کے مالک ہیں یعنی نکاح کی وجہ سے شوہر بیوی کا یا بیوی شوہر کی مالک نہیں ہوتی اور عورت اپنے خاندان سے مربوط رہتی ہے۔ والدین کے متروکہ میں تو اس کو لازماً حصہ میراث ملتا ہے۔ بعض اوقات وہ بھائی بہنوں سے بھی حصہ پاتی ہے۔ ہندو مذہب میں نکاح کے بعد عورت کا رابطہ اپنے خاندان سے ختم ہو جاتا ہے۔ شاستر قانون کی رو سے وہ اپنے خاندان سے میراث کی حقدار نہیں رہتی۔ اسی لئے جب لڑکی کو گھر سے رخصت کیا جاتا تھا تو اسے کچھ دان دے کر رخصت کیا جاتا۔''

اسلام نے تو دعوت ولیمہ کی ذمہ داری بھی شوہر پر رکھی اور عورت کو ہر طرح کی مالی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ رکھا۔ ولی کے لیے بھی حق مہر کے علاوہ داماد سے مزید رقم کا مطالبہ جائز نہیں۔

(جاری ہے)

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

رُوح الامین کی معیت میں

کاروانِ نبوت ﷺ (جلد پنجم)

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر تسنیم احمد

ناشر: مکتبہ دعوۃ الحق، احسن آباد، کراچی

زیر تبصرہ سیرت النبی ﷺ کی کتاب نبوت کے پانچ برسوں (7 تا 11 نبوی) کی روداد ہے جس میں شعب ابی طالب، وفاتِ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، نکاح سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا، سفر طائف، جنات کا ایمان لانا، ابولہب کو جہنم کی وعید، معجزۂ شق القمر، اور سورۃ الانبیاء، سورۃ القمر، سورۃ الفرقان، سورۃ فاطر، سورۃ اللہب، سورۃ الاحقاف، سورۃ ص، سورۃ یونس اور سورۃ ھود کے نزول وغیرہ پر مشتمل ہے۔ جدید اسلوبِ تحقیق اور سیرت میں ماہ وسال کی ترتیب سے تاریخی طور پر مدوّن، یہ تصنیف عرق ریزی، رضائے الٰہی اور عشق حبیب ﷺ سے لبریز ایک نادر تصنیف ہے۔ یہ تحریک اسلامی کے اس دور کی داستان ہے جس میں سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب جیسی جری شخصیات اسلام قبول کر چکی تھیں۔ کاروان نبوت کی جلد پنجم کے 71 ویں باب 'انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلانے کا انجام خصوصی طور پر قابل مطالعہ ہے۔ کتب خانوں کے لئے ناگزیر اور دانش جویانِ سیرت کے لئے ایک اہم تصنیف ہے۔

مکاتیبِ مشاہیر

جلد اوّل

مصنف: محمد صادق قصوری

ناشر: آن لائن پبلشرز، لاہور

زیر تبصرہ تصنیف اردو ادب میں مکتوبات کے حوالہ سے ہر شعبہ حیات سے متعلق ۸۱ مکتوب نگاروں کے ۵۰۰ منتخب خطوط کے جوابات کا ایک دل آویز گراں قدر مجموعہ ہے۔ مرتب نے ہر مکتوب نگار کا

ولادت تا رحلت بڑے احسن انداز میں تعارف و تذکرہ کیا ہے۔ سب سے پہلا مکتوب مولانا محمد سردار احمد اور آخری محترم ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کا ہے۔ علمی دنیا میں مشاہیر کے خطوط کو ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ بیش بہا تاریخی معلومات کا ایک اہم ذریعہ بھی گردانا جاتا ہے۔ اسلامی دنیا میں انوار و تجلیات سے مستنیر خطوط کو تبلیغ و اشاعت کا اہم شعبہ قرار دیا گیا ہے۔ قصر عارفاں میں مکیں، اعاظم و اسلاف کے علمی ورثہ کے امیں، صادق جذبوں اور بلند حوصلوں سے تھامے علم تصوف و دیں جناب محمد صادق قصوری صاحب کے مدوّنہ مکاتیب مشاہیر کی جلد اول تبصرہ نگار کے لیے سامنے ہے۔ جنہیں مرتب کرنے میں انہیں یقیناً جگر سوز کاوشوں اور صبر آزما مرحلوں سے گزرنا پڑا ہوگا۔ تاہم ان کے شوق و جستجو نے انہیں ساحل مراد سے ہمکنار کر دیا اور اب یہ مکتوب اور ان کے مکتوب نگار بھی تاریخ میں امر ہو گئے اور اردو ادب میں یہ تصنیف ایک قیمتی ورثہ کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ یہ محض خطوط ہی نہیں بلکہ ان میں خوبصورت برمحل اشعار کا استعمال اور ادبی تلمیحات و محاورات رہ نوردان علم و ادب کی تسکین کا سامان بھی ہے اور کتب خانوں کی زینت بھی۔

ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنی

کے دلچسپ سفرنامے

مرتب: نوراللہ فارانی

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

زیر تبصرہ اسفار یادگار اسلاف حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ المدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایران، بغداد، حرمین شریفین اور فلسطین کے سفرناموں کا ان کے گہرفشاں خامہ سے لسانی و ادبی لطافتوں سے لبریز تذکرہ اور حالات و مسائل کا بھرپور تجزیہ ہے۔ ان کی یہ تحریریں ان کے گہرے مطالعے، استنباط و استخراج مسائل پر ان کی غیر معمولی قدرت کی بھرپور عکاس ہیں۔ وہ جس قریہ و شہر سے گزرتے ہیں ان کے حقیقی مناظر کو بے کم و کاست صفحۂ قرطاس پر اُتار دیتے ہیں۔ تحقیق و جستجو میں سرگرداں افراد کو حیرتوں میں گم کر دینے والا وہ ارماں جس کا فقط تاریخی حوالہ جات اور وثیقہ جات ہی درماں ہے، نایاب ہے۔ تاہم ان تحریروں میں عوامی دلچسپی کا سامان فراواں ہے۔ مختلف رسائل و جرائد میں شائع شدہ یہ سفرنامے حسن ترتیب سے تو آراستہ ہیں لیکن واقعاتی ربط سے عاری یہ تحریریں ادبی خلاؤں سے لبریز ہیں۔ اگر نظر ثانی کرتے ہوئے انہیں مربوط انداز میں پیش کیا جائے تو فروغِ ادب کی یہ تحریک کامیابیوں کے ساحل سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ مطالعاتی ذوق رکھنے والے احباب کے لئے علمی سوغات اور لائبریریوں کی ضرورت ہے۔

فرض نمازوں میں
فرضوں سے قبل اور بعد کی سنتیں اور نوافل
گھر میں جا کر ادا کرنا افضل ہے

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

نماز (فرائض) کے اختتام پر امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سنت و نوافل اپنی قیام گاہ پر جا کر ادا کرے اور اس کا مصلائے امامت پر یا مسجد ہی میں سنت و نوافل ادا کرنا چنداں ضروری نہیں۔ ہاں اگر مقتدی نمازوں کے بعد شرعی مسائل وغیرہ دریافت کرتے ہوں تو اس کار خیر کی نیت سے ٹھہر کر سنن و نوافل مسجد میں بھی ادا کر سکتا ہے۔

سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ بنو اشہل کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ کر دیکھا کہ لوگ مسجد ہی میں سنت ادا کرنے میں مشغول ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هٰذِهِ صَلَاةُ الْبُيُوْتِ ..... ''یہ گھر میں پڑھی جانے والی نماز ہے.....''

چنانچہ سنن و نوافل کا گھر پر پڑھنا افضل ہے۔

بعض مساجد میں نماز جمعہ کے بعد صلاۃ وسلام پڑھنے نہ پڑھنے اور نماز پنجگانہ کے بعد دعائے ثانی یا فراغت نماز پر امام سے مصافحہ کرنے نہ کرنے جیسے جھگڑے محض اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ لوگوں نے اس سنت پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اگر سب لوگ فرائض کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور سنن و نوافل گھروں میں جا کر ادا کریں تو اس طرح کے کئی مسائل از خود حل ہو جائیں۔

(بشکریہ، ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور، اگست 2017ء)

ماہنامہ **حکمت بالغہ** جھنگ

جولائی، اگست اور ستمبر 2017ء

کے اداریہ (حرفِ آرزو) میں

تین قسطوں میں شائع ہونے والی تحریر

ملکِ شام کی بدامنی کا مستقبل؟
ایک آتش فشاں پھٹنے کو ہے

کو مزید سمجھنے کے لیے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

کی شائع کردہ درج ذیل

تین کتابوں کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا

1۔	یاجوج ماجوج؟	220/-
2۔	صہیونیت، قرآن مجید کے آئینے میں	425/-
3۔	10 علاماتِ قیامت، حدیث مبارکہ کی وضاحت	165/-

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

اِنْ شَآءَ اللّٰہ

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

2017ء

کی خصوصی اشاعت

بادشاہ، پرنس اور ارب پتی
یا
درویش حکمران

شیخ قبیلہ، نمبردار، تمن دار، منصب دار، بادشاہ، ولی عہد اور شہزادے اجتماعیت کی تاریخ کے نمایاں عنوان ہیں۔ تاہم تاریخ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ سب سے زیادہ انسان دوست، علم دوست اور اخلاق دوست حکمران درویش حکمران ہی ثابت ہوئے۔

اہل قلم، اہل علم اور ملت اسلامیہ کے بہی خواہوں
سے قلمی تعاون اور دعاؤں کی درخواست ہے

انجینئر مختار فاروقی مدیر حکمت بالغہ جھنگ